جنوری ۱۹۹۸ء

ماہنامہ **نعت** لاہور

نزولِ وحی

ماہنامہ نعت لاہور

جلد ۱۱ جنوری ۱۹۹۸ شمارہ ۱

نزولِ وحی

ایڈیٹر: راجا رشید محمود

ڈپٹی ایڈیٹرز: شہناز کوثر
اظہر محمود

مینیجر: اختر محمود

مشیرِ خصوصی: چوہدری رفیق احمد باجوہ
ایڈووکیٹ

قیمت ۱۵ روپے (عام شمارہ)
۶۰ روپے (اشاعتِ خصوصی)
۲۰۰ روپے (زرِ سالانہ)
عرب ممالک کے لیے: ۱۰۰ ریال

پرنٹر: حاجی محمد نعیم کھوکھر، جمیم پرنٹرز۔ لاہور
پبلشر: راجا رشید محمود

کمپیوٹر کمپوزنگ: نعت کمپوزنگ سنٹر
خطاط: منظر رقم

بائنڈر: خلیفہ عبدالمجید بُک بائنڈنگ ہاؤس ۳۸۔ اردو بازار۔ لاہور

اظہر منزل، مسجد سٹریٹ نمبر ۵۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ
لاہور (پاکستان) پوسٹ کوڈ ۵۴۵۰۰
فون ۷۴۶۳۶۸۴

نزولِ وحی

تحقیق:

راجا رشید محمود

فہرست

نزولِ وحی کا آغاز

(حواشی صفحہ ۲۱ تا ۲۵ پر)

عمر مبارک

(حواشی صفحہ ۲۱-۲۲ پر)

اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے چالیس سال پُورے ہونے کے بعد وحی کا نزُول شروع ہُوا۔ **عبدالرحمان ابنِ جوزی** نے حضرت براء بن عازب ؓ کی روایت پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اکرم ﷺ کو اُس وقت مبعوث فرمایا جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال اور ایک دن تھی (۱) **قسطلانی** نے چار روایتیں بیان کی ہیں: چالیس سال' چالیس سال دس دن' چالیس سال چالیس دن اور چالیس سال دو ماہ (۲) **ابنِ خلدون** نے اُس وقت حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عمر مبارک چالیس سال اور بقول بعض ۴۳ سال لکھی ہے (۳) **جمال حسینی** لکھتے ہیں۔ "جب آپ ﷺ کی عمر شریف پورے چالیس سال کی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پوری کائنات کی رسالت مرحمت فرمائی اور قبلِ نزولِ وحی آپ پر علامات اور آثار ظاہر ہونا شروع ہُوئے (۴) **بخاری شریف** (کتاب المناقب) میں حضرت انسؓ بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چالیسویں سال کے آخر میں پیغمبری دی (۵) **مدارجُ النّبوّت** میں ہے۔ "حضورِ اکرم ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہُوئی تو وحی و بشارت کا ظہور ہوا جس سے آفاقِ عالم منور ہو گیا۔ اس نورِ وحی کا ظہور دوشنبہ کے روز ۸ یا ۳ ربیع الاول کو ۴۱ عام الفیل میں ہوا"۔ نیز کہا گیا۔ "امام احمد نے تاریخ میں شعبی سے نقل کیا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ پر وحیٔ نبوت عُمر کے چالیس سال گزارنے کے بعد نازل ہوئی"۔ (۶) **النبی الاطہرؐ** میں چالیس برس ایک دن رقم ہے (۷) مفتی محمد شفیع نے بھی یہی لکھا ہے (۸) قاضی محمد

سلیمان سلمان منصور پوری اور عبدالمصطفیٰ محمد اشرف بھی یہی لکھتے ہیں (۹)

سیرتِ ابنِ اسحاق میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو کعبہ کی تعمیرِ جدید کے پانچ سال بعد مبعوث فرمایا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر چالیس سال تھی (۱۰) عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے بھی ابنِ اسحاق کا تتبع کیا ہے (۱۱) نواب احمد حسین خاں نے تاریخ ابوالفدا کے حوالے سے لکھا ہے۔ "جب آنحضرت ﷺ کا سن چالیس سال کا ہوا تو خدا نے آپ ﷺ کو مبعوث برسالت فرمایا (۱۲) شاہ معین الدین احمد ندوی نے بھی چالیس سال ہی لکھی ہے (۱۳) ابنِ کثیر اور محمد ادریس کاندھلوی بھی چالیس برس ہی لکھتے ہیں۔ (۱۴)

الرحیق المختوم میں ہے کہ قمری حساب سے آپ ﷺ کی عمر چالیس سال چھ ماہ بارہ دن اور شمسی حساب سے ۳۹ سال ۳ ماہ ۲۲ دن تھی (۱۵) علی اصغر چودھری نے لکھا ہے۔ "جب آپ ﷺ کی عمر کے ۳۹ سال ۳ ماہ اور ۱۲ دن گزر چکے تو...... جبریلِ امین حاضر ہوئے۔ (۱۶) معارج النبوت فی مدارج الفتوت کے مطابق اس واقعے کے وقت حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر چالیس سال چھ ماہ تھی (۱۷) محمد کلیم ارائیں لکھتے ہیں کہ اس وقت حضور فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کی عمر مبارک چالیس سال گیارہ دن تھی (۱۸)

ابو الاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے۔ "جب آپ ﷺ کی عمر چالیس سال ۶ مہینے کی ہو گئی تو ایک روز ماہِ رمضان میں یکایک آپ ﷺ پر غارِ حرا میں وحی نازل ہوئی (۱۹) یہی الفاظ ان کی سیرتِ سرورِ عالم ﷺ میں نقل کیے گئے تو حاشیے میں یہ اضافہ کیا گیا۔ "عموماً" کہا جاتا ہے کہ ۴۰ سال کی عمر میں حضور ﷺ نبوت سے سرفراز فرمائے گئے تھے لیکن آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول سن ایک عام الفیل میں ہوئی اور نبوت آپ ﷺ کو رمضان سن ۴۰ عام الفیل میں عطا ہوئی' اس لیے آغازِ نبوت کے وقت عمر مبارک ٹھیک ۴۰ سال ۶ مہینے تھی (۲۰)

قارئینِ محترم دیکھ رہے ہیں کہ ۳۹ سال ۱۲ دن' ۳۹ سال ۳ ماہ ۲۲ دن' چالیس

سال' چالیس سال ایک دن' چالیس سال دس دن' چالیس سال چالیس دن' چالیس سال ۲ ماہ' چالیس سال چھ ماہ' چالیس ساہ ۶ ماہ ۲ دن' چالیسویں سال کا آخر اور ۴۳ سال کی روایتیں سامنے آئی ہیں۔

ان میں سے بہت سے سیرت نگاروں نے نزولِ وحی کے آغاز کے لیے حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی عمر مبارک متعین کرتے ہوئے کوئی دلیل نہیں دی۔ جنھوں نے سال کے ساتھ دن بھی گن لیے ہیں' بادی النظر میں یوں لگتا ہے کہ وہ تحقیقِ کامل کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ حالانکہ صحیح صورتِ حال وہ ہے جس کی طرف حضور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ولادتِ پاک کے متعلق بحث کرتے ہوئے شہناز کوثر لکھتی ہیں۔ (۲۱) "حقیقت یہ ہے کہ مکی کیلنڈر اور مدنی کیلنڈر مختلف تھا اور سیرت کی کسی قمری تاریخ کے ساتھ اس بات کی وضاحت نہیں ملتی کہ مدنی کیلنڈر کی بات ہے یا مکی کیلنڈر کی۔ اسحاق النبی علوی نے دونوں کیلنڈروں کے فرق پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ایک جگہ سن ۶' ۷' ۸' ۹' ۱۰ ہجری کے مکی کیلنڈروں کے فرق پر مشتمل جدول دے کر انھوں نے لکھا ہے کہ اس جدول پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے واقعات سیرت کی توقیتی تشریحات ممکن نہیں (۲۲)

اسحاق النبی علوی نے اس حقیقت کا اظہار سنِ ہجری کے اجرا کے بعد کے بارے میں کیا ہے۔ اس سے پہلے تو حساب کسی صورت ممکن نہیں۔ کیونکہ اس سے قبل تو عرب میں کوئی باقاعدہ کیلنڈر تھا ہی نہیں۔ وہ اپنی مرضی سے مہینوں میں ردّ و بدل کر لیا کرتے تھے۔ قرآنِ مجید میں ہے۔ "بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے' اللہ کی کتاب میں' جب سے اس نے آسمان اور زمین بنائے۔ ان میں سے چار حُرمت والے ہیں۔ ان کا مہینے پیچھے ہٹانا کُفر میں اور بڑھنے کے سوا کچھ نہیں"۔ (۲۳)

کُفّارِ عرب محترم مہینوں یعنی رجب' ذیقعدہ' ذوالحجہ اور محرّم کی حرمت کے معتقد تھے اور مثلاً محرّم کی حرمت کو صفر کی طرف ہٹا کر محرم میں جنگ جاری رکھتے اور بجائے اس کے 'صفر کو ماہِ حرام قرار دے لیتے (۲۴) عرب نَسی کی خاطر سال کے تیرہ یا چودہ مہینے بنا

دیتے تھے (۲۵)

مولوی اسحاق النبی علوی کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ ہنوز تشنہ ہے کہ سن ایک ہجری سے دس ہجری تک نسی کا مہینا کن برسوں میں بڑھایا گیا۔ اس سلسلے میں مجھے اعتراف کرنا ہے کہ تلاش و کوشش کے باوجود اوراقِ تاریخ میں کوئی اشارہ نہ مل سکا جس کی بنا پر کوئی اصول یا قاعدہ کلیہ پیش کیا جاسکے (۲۶)

عہدِ حاضر کے مشہور ماہرِ تقویم ضیاء الدین لاہوری بھی کہتے ہیں کہ قابلِ اعتماد ذرائع کی غیر موجودگی میں گزشتہ تاریخوں کا تعیّن بھی وثوق سے نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر بالفرض کسی جگہ کی بالکل درست معلومات میسر آجائیں تو بھی جگہ بہ جگہ اختلاف کے باعث کسی تقویم پر مکمل انحصار نہیں کیا جاسکتا۔ (۲۶)

جب سیرتِ طیبہ کے واقعات کے ساتھ کیلنڈر کی وضاحت کہیں نہیں ملتی کہ یہ مکی کیلنڈر کی بات ہے یا مدنی کیلنڈر کا حوالہ ہے۔ جب عرب اپنی مرضی سے حرمت والے مہینوں کو دوسرے مرضی کے مہینوں سے بدل لیا کرتے تھے اور اس کی تعیین نہیں ہوتی کہ کب کب ایسا کیا گیا۔ جب یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ نسی کا مہینا کن برسوں میں بڑھایا گیا اور یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ کس سال بارہ کے بجائے تیرہ یا چودہ مہینے بنادیے گئے تھے۔۔۔

۔۔ اور جب سنِ ہجری کے اجرا کے بعد کا یہ حال ہے کہ نزولِ وحی کے دنوں کی تعیین کس طرح ممکن ہے؟

اس صورتِ حال میں کسی محمود پاشا فلکی کا، حضور ﷺ کی ولادتِ مبارک کی تاریخ ۹ ربیع الاول نکالنا محض ملتِ اسلامیہ کو مغالطے اور تفریق میں ڈالنے کی کوشش ہے اور اس کو بنیاد بنا کر اور اسے جدید ریاضی کا نام دے کر ۹ ربیع الاول کی تاریخ کو رواج دینا کسی طرح لائقِ ستائش نہیں۔۔۔۔۔۔ راجا محمد شریف نے "حیاتِ رسالتمآب ﷺ" میں ہر واقعے کے ساتھ حضور ﷺ کی عمر مبارک، دن کی قمری کے ساتھ شمسی تعیین کے ساتھ اس اعتماد سے لکھی ہے جیسے بالکل درست ہو۔" (۲۸) **صفی الرحمان مبارکپوری** نے "قمری حساب سے چالیس سال چھے ماہ بارہ دن اور شمسی حساب سے ۳۹ سال ۳ ماہ ۲۲ دن" لکھ کر

اور **علی اصغر چودھری** نے ۳۹ سال ۳ ماہ، ۱۶ دن لکھ کر یہی مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے، جس کی کوئی اصل نہیں۔

اس کا ایک ہی حل ممکن ہے کہ اختلاف کی صورت میں اس کی تطبیق کی کوشش کی جائے۔ یہ نہ ہو سکے تو کسی صحیح روایت کی پابندی کی جائے۔ روایت کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ اس میں کوئی بات شانِ سرکارِ دو عالم ﷺ کے منافی نہ ہو، وہ روایت اور درایت کے اصولوں پر پُوری اترتی ہو، اسے ثابت کرنے کے لیے تاویلوں کا کوئی سلسلہ نہ شروع کرنا پڑے۔

اس بات کو متعیّن کرنے کی کوشش میں کہ نزولِ وحی کی ابتدا کے وقت حضور سرورِ کائنات علیہ السّلام والصلوٰۃ کی عمر مبارک کیا تھی، مختلف روایتوں کو دیکھتے ہوئے (جن کا ذکر آگے آئے گا) طے ہو جاتا ہے کہ حضرت جبریلؑ کی آمد تو سرکارِ والا تبار ﷺ کی چالیس سال کی عمر کے آغاز ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ وحی کا باقاعدہ اور باضابطہ نزول رمضان المبارک میں ہُوا۔ اس وقت آقا حضور ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال چھے ماہ تھی۔ کیونکہ یہ طے ہے کہ حضورِ پُرنُور ﷺ کی ولادتِ پاک ربیع الاول شریف میں ہوئی اور زیادہ تر روات میں ہے کہ وحی کا باقاعدہ نزول رمضان المبارک میں ہُوا۔

(حواشی صفحہ ۲۲ پر)

نزولِ وحی کا انگریزی سال

مندرجہ بالا حقیقت کے پیشِ نظر سیرتِ طیبہ کے کسی واقعے کے معیّن قمری ماہ و سال جاننے کی صورت میں یہ تو ممکن ہے کہ ہم شمسی سال کا تعیّن کر سکیں لیکن اس سے آگے جانا یا تو محض ٹامک ٹوئیاں مارنا ہے، یا اپنے آپ کو غلط طور پر بڑا محقق ثابت کرنے کی کوشش ہے کہ فلاں نے معیّن تاریخ نکال لی ہے جو متقدمین کے بس میں نہیں تھی۔ نزولِ وحی کا سال اہلِ سِیَر نے ۶۱۰ء لکھا ہے (۲۹)

لطیفہ یہ ہے کہ مولانا شاہ عطاء اللہ خاں عطا نے سن ۶۱۲ء لکھا ہے (۳۰) خالد محمد خالد نے ۶۹۰ء میلادِ مسیحی درج کیا ہے (۳۱)

ماہِ نزولِ وحی

(حواشی صفحہ ۲۳۔۲۴ پر)

جن اہلِ سِیَر نے نزولِ وحی اور نزولِ جبریلؑ کا مہینا ربیع الاوّل ٹھہرایا ہے' ان میں حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے اگرچہ رمضان المبارک میں وحی کی ابتدا کا ذکر کیا ہے لیکن اس کی تائید نہیں فرمائی۔ انھوں نے ۸ یا ۳ ربیع الاول کو وحی و بشارت کا ظہور نقل کیا ہے (۳۲) قاضی سلمان منصور پوری' محمد جعفر شاہ پھلواروی اور پروفیسر غلام ربّانی عزیز نے ۹ ربیع الاول لکھا ہے (۳۳) مولوی محمد عبداللہ خاں سابق پروفیسر مہندر کالج پٹیالہ ۱۲ ربیع الاول کے قائل ہیں۔ (۳۴)

جن سیرت نگاروں نے ماہِ نزولِ وحی رمضان المبارک کو قرار دیا ہے' ان میں عبدالملک ابنِ محمد ابنِ ہشام' ابی جعفر محمد بن جریر الطبری' ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی' عبدالرحمان جامی' شاہ مصباح الدین شکیل اور اسماعیل ابنِ عمر ابنِ کثیر شامل ہیں (۳۵)

سیرتِ ابنِ اسحاق کا جو ترجمہ "نقوش" کے رسول ﷺ نمبر' جلد ۱۱ میں شائع ہوا' اس میں یہ الفاظ ہیں۔ "احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا' رسولُ اللہ ﷺ پر نزولِ وحی کی ابتدا ماہِ رمضان میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا...... (۳۶) مگر جو ترجمہ رفیع اللہ شہاب نے کیا ہے اور کتابی صورت میں چھپا ہے' اس میں ہے۔ "احمد نے یونس سے اور انھوں نے ابنِ اسحاق سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلعم (ﷺ) پر وحی نازل ہونے کی ابتدا سترہ رمضان المبارک کو ہوئی تھی۔ اسی بارے میں تو قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ... (۳۷)

مُلّا معین واعظ کاشفی نے رمضان المبارک کی ساتویں تاریخ لکھی ہے (۳۸) سترہ تاریخ والوں میں ابنِ سعد (۳۹) پروفیسر محمد طاہرُ القادری (۴۰) سیّد ابُو الحسن علی ندوی (۴۱) حفظ الرحمان سیوہاروی (۴۲) اور ایم ڈی فاروق (۴۳) شامل ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ ایم ڈی فاروق کی مرتبہ کتاب تاریخِ محمد ﷺ میں نزولِ وحی کی تاریخ ۱۷ رمضان ۱۰ نبوی"(؟) لکھی ہے۔

عبدالمقتدر فاضل فتحپوری نے ۱۷' ۱۸ رمضان ۴۱ نبوی لکھی ہے (۴۴) محمد یُوسُف لدھیانوی لکھتے ہیں۔ "اس میں اختلاف ہے کہ اس سال لیلۃ القدر رمضان کی کس تاریخ کو تھی۔ اکثر علما کا قول ہے کہ یہ سترہ تاریخ ہے اور بعض نے اٹھارہ' چوبیس اور ستائیس ذکر کی ہے (۴۵)

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر (۴۶) اور عبدالاحد خاں (۴۷) ۱۸ رمضان کے قائل نظر آتے ہیں۔

برکت علی سیرتِ حبیب ﷺ میں اور عبدالمصطفیٰ محمد اشرف سیرتِ سیّدُ المرسلین ﷺ میں ۲۷ رمضان مانتے ہیں (۴۸) محمد احسان الحق سلیمانی ۲۷ رمضان کے حق میں لکھتے ہیں۔ "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت عبادہ ؓ بن صامت سے جو روایتیں صحاح میں منقول ہیں' ان سے پتا چلتا ہے کہ شبِ قدر رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کوئی طاق رات ہے..... سُنَنِ ابو داؤد میں جو حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رمضان کی ۲۷ ویں ہے یا ۲۹ ویں۔ حضرت اُبَیّ بن کعب ؓ نے حزم سے ۲۷ ویں کی رات شبِ قدر بیان کی ہے۔ حضرت ابُوذر غفاری ؓ سے اس بارے میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ اکابر صحابہ (جن میں حضرت عمر ؓ اور حضرت حُذَیفہ ؓ ایسے لوگ شامل تھے) میں سے اکثر اس میں کوئی شک نہ رکھتے تھے کہ وہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ (۴۹)

قسطلانی نے المواہبُ اللّدنیہ میں ۷' رمضان' ۱۷ رمضان' ۲۴ رمضان' تین تاریخیں نقل کی ہیں لیکن اپنی رائے صرف یہ دی ہے کہ دوشنبہ ثابت ہے' ابنِ قیمؒ (ہدی النبوی ﷺ) کے حوالے سے کہا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ قرآنِ کریم کا نزول رمضان المبارک میں ہُوا۔ لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ "دوسرے علما نے کہا ہے کہ قرآن شریف لوحِ محفوظ سے جملہ واحدہ بیت العزۃ کی طرف نازل نہیں کیا گیا مگر لیلۃُ القدر میں"۔ (۵۰)

نزولِ قرآن یا آغازِ نزولِ وحی

(حواشی صفحہ ۲۴ پر)

پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں۔ "نصِّ قرآنی سے ثابت ہے کہ نزولِ قرآن کا آغاز ماہ

رمضان میں ہُوا۔ یہ بھی آیتِ قرآنی سے ثابت ہوا کہ جس رات میں اس کا نزول ہوا' اس رات کا نام لیلۃ القدر ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ مزید کرم فرمایا اور اُمت کی سہولت کے پیشِ نظر اس کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کی ترغیب دی۔۔۔۔۔۔ ان پانچ راتوں (اکیسویں' تئیسویں' پچیسویں' ستائیسویں اور اُنتیسویں) میں سے یہ دیکھنا ہے کہ سوموار کی رات کون سی تھی۔۔۔۔۔ تقویمِ علمی کے حساب سے اس آخری عشرہ میں سوموار کی دو راتیں بنتی ہیں" ایک اکیسویں اور ایک اٹھائیسویں۔ طاق رات کیونکہ اکیسویں ہے' اس لیے ان دلائل کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا قرینِ صحت ہے کہ اکیس رمضان المبارک کی بابرکت رات میں نزولِ قرآن کا آغاز ہوا"۔ (۵۱)

پیر محمد کرم شاہ کے محولہ بالا بیان میں بہت سی باتیں قابلِ بحث ہیں۔ اولاً نصِّ قرآنی سے یہ تو ثابت ہے کہ نزولِ قرآن ماہِ رمضان میں ہوا' لیکن پیر صاحب نے یہ نص کہاں سے نکال لی کہ "نزولِ قرآن کا آغاز" ماہِ رمضان میں ہوا۔ اگر نصِ قرآنی آغازِ نزولِ قرآن سے متعلق ہوتی تو پھر اختلاف ہی کیوں ہوتا' کچھ لوگ ربیع الاول اور کچھ لوگ رجب کی بات ہی کیوں کرتے۔

کیا پیر صاحب سمیت کسی مترجم نے آج تک شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "رمضان وہ مہینا ہے جس میں قرآن نازل کرنا شروع کیا گیا؟" پھر اسے نصِّ قرآنی کیسے قرار دیا گیا ہے؟

اگر یہ نصِ قرآنی ہوتی تو ابنِ کثیر کو یہ کیوں لکھنا پڑتا کہ "قرآنِ کریم بیتُ العزۃ سے آسمانِ دنیا تک تو ایک ساتھ ایک مرتبہ نازل ہوا اور پھر وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا۔۔۔۔۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنھما وغیرہ سے یہی روایت ہے۔ آپ سے جب سوال ہُوا کہ قرآنِ کریم تو مختلف مہینوں میں برسوں میں اُتر چکے گا۔ پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلۃ القدر میں اترنے کے کیا معنیٰ ہیں؟ تو آپ نے یہی مطلب بیان کیا"۔ (۵۲)

کیا قرآنِ پاک کے الفاظ اور اس کے واضح ترجمے کے علاوہ کسی بات کو نصِّ قرآنی کہا جا سکتا ہے؟ جبکہ جو اضافہ پیر محمد کرم شاہ نے کیا ہے' وہ آج تک کسی مفسّر نے تفسیر و تشریح میں بھی نہیں کیا۔ ضیاءُ القرآن میں انھوں نے ترجمہ تو درست کیا ہے لیکن تفسیر میں جو الفاظ لکھے ہیں' وہ ترجمے میں اضافے کے مصداق ہیں۔ لکھتے ہیں: "یہ وہ مہینا ہے جس میں قرآنِ کریم کے نزول کا آغاز ہوا"۔ (۵۳)

ابنِ کثیر کے علاوہ دوسرے مفسّرین نے بھی وہ بات نہیں کی' جو پہلے پیر صاحب نے کی ہے' پھر اس کی بنیاد پر دلائل کی عمارت قائم کردی ہے۔ تفسیر بیانُ القرآن میں ہے۔ "ماہِ رمضان ہے جس میں (ایسی برکت ہے کہ اس میں یعنی اس کے ایک خاص حصّہ میں کہ شبِ قدر ہے) قرآنِ مجید (لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر) بھیجا گیا (۵۴) یہی بات مفتی محمد شفیع نے لکھی ہے (۵۵)

غرض' پیر صاحب کی خصوصیت یہ ہے کہ پہلے انھوں نے ضیاء القرآن میں ترجمے یا مفہوم میں "آغاز" کا اضافہ کیا' پھر ضیاءُ النبی ﷺ میں کہا کہ نصِّ قرآنی سے ثابت ہے کہ نزولِ قرآن کا آغاز ماہِ رمضان میں ہوا۔ پھر لیلۃُ القدر کی بات کی اور یہ "آغاز" والا اضافہ ظاہر ہے کہ لیلۃ القدر پر چسپاں کیا۔ پھر لیلۃ القدر کی تلاش میں احادیث کے حوالے سے نزولِ وحی کی بات ۲۱' ۲۳' ۲۵' ۲۷' ۲۹ تک پہنچائی۔ پھر تقویم کا سہارا لے کر بتایا کہ پیر تو ۲۱ ویں ہی کو بنتی ہے۔ اس طرح کہا کہ "ان دلائل کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا قرینِ صحت ہے کہ اکیس رمضان المبارک کی بابرکت رات میں نزولِ قرآن کا آغاز ہوا"۔ (۵۶)

یہ درست ہے کہ **ابنِ قیّم** نے اور پھر **مولانا صفی الرحمان مبارکپوری** نے آغازِ وحی کا مہینا ربیع الاول یا رجب وغیرہ کے مقابلے میں رمضان اس لیے تسلیم کیا ہے کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ (۵۷) لیکن کسی نے ترجمے یا تشریح و تفسیر میں اضافے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی آغازِ وحی کو "نصِ قرآنی" کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

جہاں تک تقویم پر انحصار کا تعلق ہے' اس کے بارے میں ہم شروع میں تفصیلاً لکھ چکے ہیں کہ مکی کیلنڈر اور مدنی کیلنڈر میں تفاوت تھا' عرب اپنی مرضی سے مہینوں میں ردّوبدل کر لیتے تھے' حُرمت والے مہینوں کو جب چاہتے تھے' دوسرے مہینوں کے ساتھ بدل لیتے تھے اور کہیں سراغ نہیں ملتا کہ کب کب انھوں نے ایسا کیا۔ کبھی وہ بارہ کے بجائے تیرہ یا چودہ مہینوں کا بھی سال بنا لیتے تھے اور یہ طے نہیں ہو سکا کہ کس کس سال میں انھوں نے یہ حرکت کی۔ نیز ماہرینِ تقویم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی بنا پر ہجری سال کے آغاز کے بعد کا درُست حساب بھی نہیں لگ سکتا' چہ جائیکہ پیر محمد کرم شاہ پہلے کا درست حساب لگا کر معلوم کر چکے ہوں کہ ۴۱ عام الفیل میں رمضان کی ۲۱ تاریخ کو پیر (دوشنبہ) کا دن تھا۔

روایات کی تطبیق

(حواشی صفحہ ۲۴-۲۵ پر)

قسطلانی نے **المواہب اللدنیہ** میں ربیع الاول اور رمضان میں نزولِ وحی کے آغاز کی روایتوں کا ذکر کر کے ابن قیم کے حوالے سے رمضان کی بات تسلیم کی ہے (۵۸) **یعقوبی** نے کہا ہے کہ ماہِ بعثت ایک روایت کے مطابق ربیع الاول اور دوسری کے مطابق رمضان تھا۔ عجم کے مہینوں میں سے شباط تھا۔ لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ شباط ربیع کے مطابق تھا یا رمضان کے۔ (۵۹)

پروفیسر سعید اختر لکھتے ہیں۔ "اکثر و بیشتر مؤرخین نے منصبِ نبوت پر سرفرازی کے واقعے اور نزولِ قرآن کی بحث کو یکجا بیان کیا ہے لیکن اگر ان واقعات کو الگ الگ باور کر لیا جائے تو بہت سی متعلقہ روایات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً حافظ ابنِ عبدالبر فرماتے ہیں کہ ماہ ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کو آنحضور ﷺ خلعتِ نبوت سے سرفراز ہوئے اور محمد ابنِ اسحاق لکھتے ہیں کہ آنحضور ﷺ سترہ رمضان المبارک کو منصبِ نبوت پر فائز ہوئے۔ اگر حافظ ابنِ عبدالبر کی روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور محمد ابنِ اسحاق کی روایت کا یہ مفہوم لیا جائے کہ ۱۷ رمضان المبارک کو آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوا تو اس

عنوان کی تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے"۔ (۶۰)

حیاتِ رسالتمآب ﷺ میں راجا محمد شریف لکھتے ہیں۔ "نبوت کی بشارت ملتے وقت آنحضرت صلعم (ﷺ) کی عمر مبارک چالیس سال ایک دن اور ربیع الاول کی ۹ تاریخ تھی لیکن وحی کی دوبارہ آمد اور نزولِ قرآن کا آغاز بشارت کے چھٹے ماہ بعد' ۱۸ رمضان المبارک سن ایک بعثت میں ہُوا۔ یعنی نبوت کی بشارت اور نزولِ قرآنِ حکیم میں چھٹے ماہ کا فرق ہے۔ ان چھٹے مہینوں میں آنحضرت صلعم (ﷺ) کو سچے خواب آتے رہے جو آپ ﷺ کے ۲۳ سالہ دَورِ نبوت کا ۴۶ واں حصہ ہیں"۔ (۶۱)

قمری کے ساتھ شمسی تاریخیں بھی

(حواشی صفحہ ۲۵ پر)

اب بعض سیرت نگاروں نے قمری کے ساتھ شمسی تاریخیں بھی لکھنی شروع کر دی ہیں۔ لیکن ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ یہ محض مغالطہ ہے۔ یا مغالطہ کھایا جا رہا ہے' یا دیا جا رہا ہے کیونکہ ہجری کیلنڈر ہی میں دن اور مہینا متعیّن نہیں کیا جا سکتا' چہ جائیکہ گریگورین کیلنڈر کے ساتھ اس کی تطبیق کی کوشش بھی ہو۔ بہرحال قمری کے ساتھ شمسی تاریخیں لکھنے کی جو بدعت شروع کی گئی ہے' تفنّنِ طبع کے لیے اس کی بعض صورتیں نقل کی جاتی ہیں:

۱۲ فروری ۶۱۰ء =

۹ ربیع الاول ۴۱ میلادی (سلمان منصور پوری)
۹ ربیع الاول / ۱۷ پھاگن ۶۶۶ بکری (جعفر شاہ پھلواروی)
۱۸ ربیع الاول (شاہ عطاء اللہ خاں عطا)
۱۸/۱۷ رمضان (عبدالمقتدر فاضل فتحپوری)

۱۷ رمضان =

۶۔ اگست (شیخ محمد رضا مصری)

۶۔ اگست (ابوالحسن علی ندوی)

۶۔ اگست (حفظ الرحمان سیوہاروی)

۲۹۔ اگست (ایم ڈی فاروق)

۱۲ فروری (عبدالمقتدر فتحپوری)

۱۸ رمضان =

۳۔ اگست (ڈاکٹر نصیر احمد ناصر)

۷۔ اگست (راجا محمد شریف)

رمضان =

جولائی ۳۰ (عبدالماجد دریا بادی)

۲۱ رمضان ۱۰۔ اگست (صفی الرحمان مبارکپوری) (۴۳)

حتمی تاریخیں لکھنے کا جدید رویّہ اور اُس کی اصلیت

(حاشیہ صفحہ ۲۵ پر)

اردو سیرت نگاری کی تاریخ میں سب سے پہلے علامہ **شبلی نعمانی** نے محمود پاشا فلکی (محمود آفندی مصری) کے حوالے سے میلادِ سرورِ کائنات علیہ السّلام والصّلوٰۃ کی تاریخ ۹ ربیع الاول لکھ دی اور لکھا کہ حساب سے دوشنبہ اسی تاریخ کو پڑتا ہے۔ پھر یہ رویّہ عام ہو گیا۔ حساب کے ذریعے تاریخیں متعیّن کرنا شروع کردی گئیں۔ "حساب" ہی کے بل پر قمری کے ساتھ شمسی تاریخیں درج کرنا بھی اعزاز بنالیا گیا۔ حالانکہ کبیسہ اور نَسی کی "بے حساب" مَن مانیوں کے ساتھ اور مکّی اور مدنی کیلنڈر کے تفاوُت یعنی قمری اور "قمریہ شمسی" تقویم کے فرق کے ہوتے ہوئے "حساب" کے ذریعے نکالی گئی کسی تاریخ کو حتمی کسی طرح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مشہور ماہرِ فلکیات ضیاء الدین لاہوری نے اپنی کتاب "جوہرِ تقویم" میں ان معاملات میں جو کچھ لکھا' وہ اس موضوع پر لکھنے اور پڑھنے والوں کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے' تاکہ صحیح صورتِ حال سامنے رہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"متعدد مؤرّخ عہدِ نبوی ﷺ کے بعض مشہور واقعات کے دن اور تاریخیں ایک دوسرے سے مختلف بیان کرتے ہیں' یہاں تک کہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کی ولادت اور آپ ﷺ کے وصال کی تاریخوں پر بھی متّفق نہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہی کہی جاسکتی ہے کہ اس زمانے میں سالوں کے تعیُّن اور تاریخوں کے اندراج کا کوئی قابلِ اعتماد طریقہ رائج نہ تھا یا واقعات کی تاریخیں محفوظ کرنے پر خاص توجُّہ نہیں دی جاتی تھی۔ البتّہ اس کا ایک سبب یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ عرب مشرکین چار حرمت والے مہینوں (ذی قعدہ' ذوالحجہ' محرّم اور رجب) میں سے کسی ایک یا زاید مہینوں کو جنگی چالوں کے تحت دوسرے عام مہینوں سے اول بدل کر لیتے تھے' اور ممکن ہے کہ بعض تاریخیں اس طرح پر تبدیل کردہ مہینوں کے مطابق بیان ہوئی ہوں۔

دنوں اور مہینوں کے علاوہ مؤرّخین کی بیان کردہ تقابُلی عیسوی تاریخوں میں سالوں تک کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ اس دور میں قمری مہینوں کے دو مختلف نظاموں کی موجودگی بتائی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک کیلنڈر تو خاص قمری تھا جس کا ہر سال بارہ مہینوں کا ہوتا تھا جب کہ دوسرا کیلنڈر' جسے اصطلاحاً" قمریہ شمسی (Luni - Solar) کہا جاتا ہے' قمری اور شمسی دونوں اعتبار سے ترتیب پاتا تھا۔ مؤخر الذکر میں بنیادی طور پر مہینے تو قمری ہی استعمال ہوتے تھے مگر اسے شمسی یا موسمی سال کے مطابق کرنے کے لیے خاص خاص سالوں میں تیرھویں مہینے کا اضافہ کردیا جاتا تھا جسے لوند کا مہینا یا کبیسہ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ کے واقعات کے بیان میں بعض مؤرّخین نے خاص قمری تقویم کو بنیاد بنایا' جبکہ دوسروں نے قمریہ شمسی تقویم کے مطابق تاریخیں بیان کیں۔۔

....

سن ۱۰ ہجری سے قبل کون کون سے سال کبیسہ ہوئے' اس کے متعلق وثوق کے

ساتھ کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ اس نظام کی جزئیات بہر حال تحقیق طلب ہیں اور یہ کام اس قدر آسان نہیں جس قدر کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ بڑے نامور محقق بھی اس بارے میں وسیع اختلاف رکھتے ہیں لہٰذا کسی کی توضیحات کو یکدم حتمی کہنا ممکن نہیں۔ بعضوں کا خیال ہے کہ کبیسہ کے سلسلے میں کوئی خاص ضوابط مقرّر نہ تھے۔ جب وہ لوگ سمجھتے تھے کہ قمری سال میں موسمی سال سے ایک ماہ کا فرق پڑ گیا ہے تو وہ یہ تبدیلی کر لیتے تھے اور اس کا فیصلہ مکّہ میں حج کے موقع پر چند ذمّہ دار بزرگ کیا کرتے تھے۔ یوں کبھی دوسرے سال اور کبھی تیسرے سال بعد یہ اضافہ ہو جاتا تھا۔ اکثریت کی رائے یہ ہے کہ ایک مخصوص مدّت میں ایک متعیّن حساب سے مہینے بڑھائے جاتے تھے۔ ابنِ اسحاق، ابنِ حبیب، مسعودی، ابو الفدا، البیرونی مقریزی محمد الجرکسی اور حاجی خلیفہ وغیرہ اس کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہیں......

اُس دور میں عربوں کے ہاں نظام کبیسہ کسی بھی صورت کے مطابق جاری رہا ہو، صرف اس نظام کی تفصیلات طے کرتے ہوئے متعدّد سوالات جنم لیتے ہیں۔ کیا ماہِ کبیسہ کو کسی الگ نام سے پکارا جاتا تھا؟ جب اس دور کے واقعات کے بیان میں ہمیں ایک مقام پر بھی بارہ مہینوں کے علاوہ کسی تیرھویں مہینے کا نام نہیں ملتا تو شک ہوتا ہے کہ کیا ان دنوں ایسا نظام واقعی رائج تھا؟ اس پر یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ اگر کبیسہ کے مہینوں کو کوئی الگ نام دیا بھی گیا تھا تو اتفاق سے ان مہینوں میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔ بعض محقق بیان کرتے ہیں کہ ماہِ کبیسہ اور اس سے اگلے ماہ، دونوں کو محرّم بولا جاتا تھا۔ یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر کوئی واقعہ ایسے محرّم میں بیان کیا گیا ہے جس کے ساتھ دوسرا محرّم بھی منسلک تھا تو صحیح تطابُق کیسے کیا جائے؟......

نظامِ کبیسہ کے اختتام کے بارے میں وہ (قدیم مؤرّخین) یہ کہتے ہیں کہ جب اسلام عرب کے وسیع علاقوں میں پھیلا اور تمام مسلمانوں کا فرائض و عبادات کے معاملے میں خالص قمری تقویم سے براہِ راست اور مستقل رابطہ ہوا، نیز بعد میں حکومتی سطح پر ہجری کیلنڈر کا باقاعدہ استعمال شروع ہوا تو قمریہ شمسی تقویم آہستہ آہستہ خود بخود ختم ہو گئی۔

مصری ماہرِ فلکیات محمُود پاشا (محمود آفندی) کا تو خیال ہے کہ عربوں میں ہمیشہ خالص قمری تقویم ہی زیرِ استعمال رہی اور مہینوں کے بارے میں جس امتناع کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کا تعلّق کبیسہ کے مہینوں سے نہیں بلکہ نسئی کے تحت حرمت والے مہینوں کے اول بدل کیے جانے سے ہے......

مندرجہ بالا سوالات اس موضوع پر کیے جانے والے متعدد سوالات میں سے چند ایک ہیں جنھیں عہدِ نبوی ﷺ کے زمانے کا تعیّن کرنے میں پیشِ نظر رکھا جائے تو کیفیت اس قدر گنجلک ہو جاتی ہے کہ ایک مقام پر دُرست تصوّر کیے گئے کسی مفروضے کا اگر اسی جیسے دوسرے مقامات پر اطلاق کیا جائے تو نتائج حسبِ منشا نہیں نکلتے اور مزید پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں"۔ (۶۳)

محمود پاشا فلکی کا محولہ بالا "خیال" اس لیے بھی بے بنیاد اور غلط ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں "بے شک" کے اعلان کے ساتھ سال کے مہینوں کی تعداد بارہ بتائی ہے اور اس میں ہیر پھیر کرنے والوں کو "کفر میں اور بڑھنے والے" فرمایا گیا ہے۔ (۶۴)
اگر ایسی کوئی بات نہ ہوتی تو خداوندِ قدّوس جل وعلا اس کی اتنی پُر زور تردید کیوں فرماتا۔

نزُولِ وحی کا آغاز

حواشی

عمرِ مبارک

○ (۱) ابنِ جوزی، عبد الرحمان۔ الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ۔ ص ۲۰۳
○ (۲) القسطلانی الشافعی، احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب۔ المواہبُ اللدنیہ۔ جلد اول (اردو ترجمہ بعنوان "سیرۃِ محمّدیہ ﷺ" از محمد عبد الجبار خاں آصفی نظامی) ص ۱۹۸
○ (۳) ابنِ خلدون۔ تاریخ (عہدِ اسلام) اردو ترجمہ از شیخ عنایت اللہ۔ ص ۲۹۳
○ (۴) جمال حسینی۔ روضۃ الاحباب (اردو ترجمہ بعنوان "رسالت مآب ﷺ" از مفتی عزیز الرحمان) ص ۳۷
○ (۵) بخاری شریف۔ کتاب المناقب۔ حدیث نمبر ۳۲۹۹

○ (۶) عبدالحق محدث دہلوی' شیخ۔ مدارج النبوت۔ حصہ دوم (اردو ترجمہ از مفتی غلام معین الدین نعیمی) ص ۴۷' ۵۴

○ (۷) ابن جوزی' عبدالرحمان۔ النبی الاطہر ﷺ۔ ص ۵۴

○ (۸) محمد شفیع' مولانا مفتی۔ سیرۃِ رسولِ اکرم ﷺ۔ مطبوعہ کراچی۔ ص ۸۶

○ (۹) سلمان منصور پوری' قاضی محمد سلیمان۔ رحمۃٌ للعالمین ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۴۷ / محمد اشرف' عبدالمصطفیٰ۔ سیرتِ سیّد المرسلین ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۵

○ (۱۰) محمد بن اسحاق مطلبی۔ سیرتِ ابنِ اسحاق (اردو ترجمہ "کتاب السیر والمغازی از رفیع اللہ شہاب) ص ۲۰۹ / نقوش لاہور۔ رسول ﷺ نمبر۔ جلد ۱۱ (سیرتِ ابنِ اسحاق مسماۃ بکتاب المبتدا و المبعث والمغازی۔ تالیف: محمد بن اسحاق بن یسار۔ ترجمہ: نور الٰہی ایڈووکیٹ) ص ۱۲۹

○ (۱۱) عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب۔ مختصر سیرۃُ الرسول ﷺ (اردو ترجمہ از حافظ محمد اسحاق) ص ۴۸

○ (۱۲) احمد حسین خاں مذاق۔ تاریخِ احمدی ﷺ۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۱۲

○ (۱۳) معین الدین احمد ندوی' شاہ۔ تاریخِ اسلام۔ جلد اول۔ ص ۲۱

○ (۱۴) ابن کثیرؒ اسماعیل بن عمر۔ سیرۃِ سرورِ انبیا ﷺ ("الفصول فی سیرۃ الرسول ﷺ" کا اردو ترجمہ از غلام احمد حریری۔ ص ۴۷ / محمد ادریس کاندھلوی' مولانا۔ سیرۃُ المصطفیٰ ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۳

○ (۱۵) صفی الرحمان مبارکپوری۔ الرحیق المختوم۔ ص ۱۸

○ (۱۶) علی اصغر چودھری۔ عہدِ نبوی ﷺ کے نادر واقعات۔ ص ۱۱

○ (۱۷) معین واعظ الکاشفی مُلّا۔ معارج النبوت فی مدارج الفتوت۔ جلد دُوُم (اردو ترجمہ از حکیم محمد اصغر فاروقی) ص ۲۰۸

○ (۱۸) محمد کلیم ارائیں۔ سرورِ عالم ﷺ کے سفرِ مبارک۔ ص ۵۳

○ (۱۹) مودودی' سیّد ابو الاعلیٰ۔ تفہیم القرآن۔ جلد ششم۔ دیباچہ سورۂ علق۔ ص

○ (۲۰) مودودی' سید ابو الاعلیٰ۔ سیرتِ سرورِ عالم ﷺ۔ جلد دُوُم۔ ص ۱۲۳

○ (۲۱) شہناز کوثر۔ حضور ﷺ کا بچپن۔ (۱۹۹۳ میں صدارتی ایوارڈ حاصل کرنے والی کتاب) ص ۳۲۸' ۳۲۹

○ (۲۲) نقوش۔ رسول ﷺ نمبر۔ جلد ۲' ص ۷۵ (مضمون "سیرتِ نبوی ﷺ توقیت کی روشنی میں" از اسحاق النبی علوی)

○ (۲۳) التوبہ۔ ۹:۳۶' ۳۷

○ (۲۴) تفسیر الحسنات۔ جلد دوم۔ ص ۸۱۲ / مفتی احمد یار خاں نعیمی۔ تفسیر نور العرفان۔ ص ۹۸۴

○ (۲۵) تفسیر خازن۔ جلد اول / تفہیم القرآن۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۲

○ (۲۶) نقوش۔ رسول ﷺ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۱۲

○ (۲۷) ضیاء الدین لاہوری۔ جوہر تقویم۔ ص ۲۳

○ (۲۸) شہناز کوثر۔ حضور ﷺ کا بچپن۔ ص ۳۴۹' ۳۵۰

نزولِ وحی کا انگریزی سال

○ (۲۹) محمد رضا' شیخ۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ (اردو ترجمہ از محمد عادل قدوسی) ص ۱۰۶ / ہیکل' محمد حسین۔ حیاتِ محمد ﷺ (اردو ترجمہ از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی) ص ۱۳۸ / سلمان منصور پوری۔ رحمۃٌ للعالمین ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۴۷ / جعفر شاہ پھلواروی' محمد۔ پیغمبر انسانیت ﷺ۔ ص ۵۹ / غلام ربّانی عزیز۔ سیرتِ طیبہ۔ جلد اول۔ ص ۸۸ / عبدالمقتدر فتحپوری۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ۔ ص ۵۳ / محمد شریف' راجہ۔ حیاتِ رسالتمآب ﷺ۔ ص ۹۶' ۹۷ / عبدالماجد دریا بادی۔ تفسیر ماجدی۔ ص ۱۲۰۲

○ (۳۰) عطاء اللہ خاں عطا' مولانا۔ رحمتِ دو عالم ﷺ۔ ص ۸۷

○ (۳۱) خالد محمد خالد۔ حیاتِ رسول ﷺ کے دس دن۔ ص ۳۰

ماہِ نزولِ وحی

○ (۳۲) عبدالحق محدث دہلوی' شیخ۔ مدارجُ النُّبوت۔ حصہ دُوُم۔ (اردو ترجمہ)۔ ص ۴۷

○ (۳۳) سلمان منصور پوری' قاضی محمد سلیمان۔ رحمۃٌ للعالمین ﷺ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۷ / جعفر شاہ پھلواروی' محمد۔ پیغمبر انسانیت ﷺ۔ ص ۵۹ / غلام ربّانی عزیز۔ سیرتِ طیّبہ۔ جلد اول۔ ص ۸۸

○ (۳۴) عبداللہ خاں' محمد۔ خطباتِ نبوی ﷺ۔ مطبوعہ لاہور (۱۹۲۳ء) ص ۴۸

○ (۳۵) ابن ہشام۔ سیرۃ النبی ﷺ کامل۔ جلد اول (اردو ترجمہ از عبدالجلیل صدیقی و غلام رسول مہر) ص ۲۶۱ / سیرۃ ابنِ ہشام (ترتیب و تہذیب: محمد احسان الحق سلیمانی۔ ص ۱۳۳ / ابی جعفر محمد بن جریر الطبری۔ تاریخِ طبری۔ جلد اول (سیرۃُ النبی ﷺ' خلافتِ راشدہ) اردو ترجمہ از سیّد محمد ابراہیم ندوی) ص ۴۷ / مصطفیٰ سباعی' ڈاکٹر۔ سیرتِ نبوی ﷺ (اردو ترجمہ از مزمل حسین فلاحی) ص ۵۳ / عبدالرحمان جامیؔ۔ شواہدُ النبوۃ (اردو ترجمہ) ص ۸۵ / مصباح الدین شکیل' شاہ۔ سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ (ظہورِ قدسی سے مسجدِ قبا تک) ص ۲۹۰ / ابن کثیر۔ الفصول فی سیرۃ الرسول ﷺ (اردو ترجمہ بعنوان "سیرۃِ سرورِ انبیاء ﷺ" از غلام احمد حریری۔ ص ۴۷

○ (۳۶) نقوش، رسول ﷺ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۲۹ (سیرتِ ابنِ اسحاق کا ترجمہ از نور الٰہی ایڈووکیٹ)

○ (۳۷) محمد بن اسحاق مطلبی۔ سیرتِ ابنِ اسحاق (کتاب السیر والمغازی" کا اردو ترجمہ' از پروفیسر رفیع اللہ شہاب) ص ۲۰۹

○ (۳۸) معین واعظ کاشفی مُلّا۔ معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۲۰۸

○ (۳۹) ابن سعد البصری' ابو عبداللہ محمد بن۔ طبقاتِ ابنِ سعد (جلد اول۔ اخبارُ النبی ﷺ) اردو ترجمہ از عبداللہ العمادی۔ ص ۲۹۳ ○ (۴۰) طاہر القادری' پروفیسر ڈاکٹر محمد۔ سیرۃُ الرسول ﷺ۔ جلد دُوُم۔ ص ۲۲۷

○ (۴۱) ابو الحسن علی ندوی' سید۔ نبیِ رحمت ﷺ۔ ص ۱۱۹
○ (۴۲) حفظ الرحمان سیوہاروی' مولانا۔ نور البصر فی سیرۃ خیر البشر ﷺ۔ ص ۵۲
○ (۴۳) فاروق' ایم ڈی۔ تاریخِ محمد ﷺ۔ ص ۲۳۱
○ (۴۴) عبد المقتدر فاضل فتح پوری۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ۔ ص ۵۴
○ (۴۵) یُوسف لدھیانوی' مولانا محمد۔ عہدِ نبوت کے ماہ و سال۔ ص ۳۳
○ (۴۶) نصیر احمد ناصر' ڈاکٹر۔ پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ۔ ص ۲۶۰ (ڈاکٹر صاحب نے عبارت یوں لکھی ہے کہ ایک "یونٹ" معلوم ہوتی ہے۔ آخر میں حوالہ "صحیح بخاری۔ باب بدٔ الوحی و کتاب التعبیر" کا ذکر ہوتا تو پھر سیرت نگاروں کو اِدھر اُدھر دیکھنے یا اپنی مرضی کی تاریخ لکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔
○ (۴۷) عبد الاحد خاں۔ رہبرِ کامل ﷺ۔ مطبوعہ دہلی۔ ص ۱۶۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر (حاشیہ نمبر ۴۶) اور عبد الاحد خاں پیر کے بجائے جمعے کا دن لکھتے ہیں جبکہ حدیثِ پاک سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ پر وحی دوشنبہ (پیر) کے دن نازل ہونا شروع ہوئی تھی۔
○ (۴۸) برکت علی۔ سیرتِ حبیب ﷺ۔ مطبوعہ جہلم۔ ص ۱۳۷' ۱۳۸ / محمد اشرف' عبد المصطفیٰ۔ سیرتِ سیّد المرسلین ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۵
○ (۴۹) سلیمانی' محمد احسان الحق۔ رسولِ مُبین ﷺ۔ ص ۲۶۵
○ (۵۰) قسطلانی۔ المواہبُ اللدنیہ۔ (اردو ترجمہ) جلد اول۔ ص ۱۹۸' ۱۹۹

نزولِ قرآن یا آغازِ وحی

○ (۵۱) محمد کرم شاہ' پیر۔ ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد دوم ص ۲۰۷' ۲۰۸
○ (۵۲) تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ از ابو محمد جونا گڑھی) ص ۴۷۷
○ (۵۳) محمد کرم شاہ' پیر ضیاء القرآن۔ جلد اوّل۔ ص ۱۲۵
○ (۵۴) اشرف علی تھانوی' مولانا محمد۔ تفسیر بیان القرآن۔ جلد اول۔ مطبع مجتبائی' ص ۹۳
○ (۵۵) محمد شفیع' مفتی۔ معارفُ القرآن۔ جلد اول۔ ص ۴۴۷
○ (۵۶) ضیاءُ النبی ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۲۰۸
○ (۵۷) قسطلانی۔ سیرتِ محمدیہ (المواہبُ اللدنیہ کا اردو ترجمہ) ص ۱۹۹ / صفی الرحمان مبارکپوری۔ الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۸ / حیاتِ رسالتمآب ﷺ۔ ص ۹۷

روایات کی تطبیق

○ (۵۸) قسطلانی۔ سیرۃ محمدیہ ﷺ۔ ص ۱۹۸' ۱۹۹
○ (۵۹) نقوش۔ رسول ﷺ نمبر۔ جلد اول۔ شمارہ نمبر ۱۳۰۔ دسمبر ۱۹۸۲۔ ص ۵۷۷ (مضمون "تاریخ یعقوبی۔ سیرتِ نبوی ﷺ کا ایک اہم قدیم ماخذ" از ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی)
○ (۶۰) سعید اختر' پروفیسر۔ سیّد المرسلین ﷺ۔ ص ۴۳

○ (۶۱) محمد شریف' راجا۔ حیاتِ رسالتمآب ﷺ۔ ص ۹۷

قمری کے ساتھ شمسی تاریخیں بھی

○ (۶۲) سلمان منصور پوری' قاضی۔ رحمۃٌ للعالمین ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۴۷ / جعفر شاہ پھلواروی۔ پیغمبرِ انسانیت ﷺ۔ ص ۵۹' ۶۰ / عطاء اللہ خاں عطا۔ رحمتِ دو عالم ﷺ۔ ص ۸۷ / عبد المقتدر۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ۔ ص ۵۴ / محمد رضا' شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ۔ ص ۱۰۶ / ابو الحسن علی ندوی۔ نبیِ رحمت ﷺ۔ ص ۱۱۹ / حفظ الرحمان سیوہاروی۔ نور البصر فی سیرۃ خیر البشر ﷺ۔ ص ۵۲ / فاروق' ایم ڈی۔ تاریخِ محمد ﷺ۔ ص ۲۳۱ / نصیر احمد ناصر' ڈاکٹر۔ پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ۔ ص ۲۶۰ / محمد شریف' راجا۔ حیاتِ رسالتمآب ﷺ۔ ص ۹۶' ۹۷ / عبد الماجد دریا بادی۔ تفسیرِ ماجدی۔ ص ۱۲۰۴ / صفی الرحمان مبارکپوری۔ الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۹

حتمی تاریخیں لکھنے کا جدید رویّہ اور اس کی اصلیت

○ (۶۳) ضیاء الدین لاہوری۔ جوہرِ تقویم۔ ص ۲۵۷' ۲۵۸' ۲۵۹' ۲۶۱' ۲۶۲' ۲۶۳' ۲۶۴
○ (۶۴) ۹:۳۶' ۳۷ (سورہ توبہ)

❀❀❀

حدیثِ عائشہؓ

(حواشی صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۴ پر)

بُخاری و مُسلم میں امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت منسُوب ہے، زیادہ تر اہلِ سِیَر نزولِ وحی کے آغاز کے سلسلے میں اسی کو تسلیم کرتے ہیں۔ روایت بتغیّرِ خفیف یہ ہے:

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، پہلے پہل وحی کی ابتدا یُوں ہوئی کہ آپ ﷺ کو پاکیزہ خواب آنے لگے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کوئی ایسا خواب نہ دیکھتے جو روزِ روشن کی طرح سچ ہو کر ظاہر نہ ہوتا۔ پھر آنحضرت ﷺ کو خلوت اور تنہائی سے محبّت پیدا ہوئی اور آپ ﷺ غارِ حرا میں تنہا قیام فرماتے اور وہاں کئی کئی راتیں عبادت کرتے۔ اس کے بعد کہیں گھر آتے اور اس خلوت کے لیے دوبارہ توشہ لانا مقصود ہوتا۔ چنانچہ آپ ﷺ غارِ حرا سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر آتے اور پہلے کی طرح توشہ لے جاتے۔

یہاں تک کہ ایک دن جب آپ ﷺ غارِ حرا ہی میں تھے، پیغامِ حق آپ ﷺ پر نازل ہُوا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آیا۔ اس نے کہا، "پڑھیے"۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں "میں نے کہا، مَیں پڑھا ہُوا نہیں ہوں"۔ اس نے مجھے پکڑ کر زور سے دبایا۔ یہاں تک کہ اس دباؤ کے مقابلے میں مجھے بھی کوشش کرنا پڑی۔ اس کے بعد اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہنے لگا "پڑھیے"۔ میں نے جواب دیا۔ "میں پڑھا ہُوا نہیں ہوں"۔ اس نے دوبارہ مجھے پکڑ کر بھینچا اور میں نے بھی دباؤ ہٹانے کی کوشش کی، پھر مجھے چھوڑ دیا۔ پھر سہ بارہ پکڑ کر کہا کہ "پڑھیے"۔ میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا ہُوا نہیں ہوں۔ اس نے مجھے دبایا اور چھوڑ دیا۔ اور کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ . . . . الْاَکْرَمْ۔ (اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے آپ کا پروردگار بڑی عزت والا ہے)

آنحضرت ﷺ یہ کلمات سیکھ کر واپس لوٹے تو آپ ﷺ کا دل لرز رہا تھا۔ آپ

ﷺ حضرت خدیجہ بنتِ خویلد رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، مجھے کمبل اوڑھا دو، کمبل اوڑھا دو (چنانچہ انھوں نے کمبل اوڑھا دیا) آپ ﷺ کا خوف دور ہُوا۔ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سارا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، خدا کی قسم، وہ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں کرے گا، آپ صلۂ رحم فرمایا کرتے ہیں، کمزوروں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کے لیے کماتے ہیں، مہمان نواز ہیں، تکلیفیں برداشت کرکے بھی حق کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزّیٰ کے پاس آئیں۔ وہ عہدِ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے اور عبرانی زبان میں انجیل کو مشیّتِ ایزدی کے مطابق لکھتے تھے۔ وہ بوڑھے تھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ بھائی جان! اپنے بھتیجے کی بات سنیئے۔ ورقہ نے کہا کہ بھتیجے! تمھیں کیا نظر آتا ہے؟ حضور ﷺ نے جو کچھ ملاحظہ فرمایا تھا، ارشاد فرما دیا۔ ورقہ نے کہا، یہی وہ فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر نازل کرتا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔ کاش! میں زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو گھر سے باہر نکال دے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میری قوم مجھے وطن سے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا، ہاں۔ کوئی بھی ایسا شخص نہیں آیا، جو وہ چیز لایا ہو جو آپ لائے ہیں مگر اس سے ضرور عداوت و عناد کیا گیا۔ اگر وہ وقت میری زندگی میں آیا تو آپ کی پوری مدد کروں گا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ اُدھر وحی کا سلسلہ بھی کچھ مدّت کے لیے رک گیا"۔ (۱)

مُسلم شریف اور مشکوٰۃ المصابیح میں جو روایت درج ہے وہ الفاظ کے تھوڑے سے تغیّر کے ساتھ یہی ہے۔ (۲)

اہلِ سِیَر عام طور پر اس حدیث کو مانتے ہیں۔ کم از کم اس حدیث کے خلاف نہیں کہتے۔ البتہ بعض نے نزولِ وحی کی ابتدا کے متعلق دوسری روایتیں بھی نقل کی ہیں۔ بعض کے نزدیک سورہ علق کی یہ آیتیں حضور اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی آیات

نہیں ہیں۔ بعض نے مذکورہ بالا حدیثِ عائشہؓ میں روایت کردہ بعض باتوں کی تاویلیں کی ہیں۔ بعض سیرت نگاروں نے اس میں سے کئی باتیں چھوڑ دی ہیں، نقل ہی نہیں کیں۔ بعض نے سرے سے اس حدیث کو نظر انداز بھی کیا ہے۔ اردو میں اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھنے والوں نے اپنے اپنے ذوق (یا بدذوقی) کے مطابق الفاظ استعمال کیے ہیں۔ کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبے اور مقام کا خیال رکھا گیا ہے، اور کہیں یوں لگتا ہے کہ یہ خیال پیشِ نظر نہیں رہا۔

حدیثِ عائشہؓ اور اہلِ سیر

(حواشی صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۴ پر)

سیرۃ النبی ﷺ کی کتابوں میں عام طور سے مذکورہ بالا حدیث ہی کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ یا کم از کم یہ ضرور ہے کہ اس حدیث کا یا اس کے کسی حصے کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن نکتہ یہ ہے کہ یہ حدیث امّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ بن زبیر (جو مشہور تابعی، امّ المؤمنینؓ کے بھانجے، اور حضورِ اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن عوام ؓ کے صاحبزادے ہیں) نے سُنی اور ان سے ابن شہاب نے، ان سے عُقیل نے، ان سے لیث نے اور ان سے یحییٰ بن بکیر نے روایت کی (۳) مگر معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عروہ اس حدیث کو پورے طور پر تسلیم نہیں کرتے۔

حضرت عروہ بن زبیر بن عوام کی کتاب "مغازیٔ رسول اللہ ﷺ" (جو سیرت و مغازیٔ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پہلی تصنیف مانی جاتی ہے) میں نزولِ وحی کے بارے میں پہلے تو سچے خوابوں کا ذکر ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ "پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کو اجیاد نامی علاقے میں دیکھا...... انھوں نے کہا کہ اے محمد (ﷺ) میں جبریل ہوں"۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم ﷺ کو تسلی دی۔ پھر شقِ صدر کیا گیا۔ پھر حضرت جبرئیلؑ کھلے طور پر ملے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نمایندہ اور رسول ہونے کی خوشخبری دی۔ پھر سورہ اِقرَا کی پانچ آیتیں پڑھائیں۔ پھر امُّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس (عدّاس) کے پاس

گئیں۔ عداس نے کہا کہ حضور ﷺ اس امانت کے محافظ ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے پاس لائی گئی تھی۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور ان سے بات کی۔ اس کے بعد حضرت عروہ نے پہلے جبریلؑ کے اور پھر حضور ﷺ کے وضو کرنے اور دو رکعتیں پڑھنے کا ذکر کیا (۴)

قارئینِ محترم خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ حدیثِ عائشہؓ بھی حضرت عروہ کے ذریعے امام بُخاری اور ان کی وساطت سے ہم تک پہنچی اور مغازیٔ رسول اللہ ﷺ جو قلمی صورت میں محفوظ تھی، اسے ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی (استاذِ حدیثِ نبوی (ﷺ) جامعہ ریاض، سعودی عرب) نے ۱۴۰۱ھ میں مرتب کر کے شائع کرایا۔ حدیثِ عائشہؓ اور مغازیٔ رسول اللہ ﷺ کی روایتوں میں جو فرق ہے، وہ ظاہر و باہر ہے۔

ابو عبداللہ محمد بن سعد البصری بھی طبقات میں سچے خوابوں کی حد تک تو حدیثِ عائشہؓ پر انحصار کرتے ہیں لیکن اس کے بعد ابنِ عباس ؓ کی روایت سے اجیاد کے مقام پر جبریلؑ سے ملاقات کا ذکر کرتے ہیں جو پکار رہا تھا: یا محمد ﷺ میں جبریل ہوں۔ حضور ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور اندیشہ ظاہر کیا کہ میں کہیں کاہن نہ ہو جاؤں۔ امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے تسلی دی۔ پھر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں تو انھوں نے اسے نُبوّت کی ابتدا بتایا۔ ابن سعد نے اسی قسم کی روایت حضرت عروہ کے حوالے سے نقل کی۔ اس کے بعد انھوں نے بعض علما کی بات نقل کی ہے کہ حضور ﷺ پر پہلی وحی سورۃ علق کی پہلی آیات تھیں (۵)... اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ابنِ سعد نے بھی حدیثِ عائشہؓ میں بیان کی گئی روایت کو درخورِ اعتنا نہیں جانا۔

مسلم شریف ہی میں حضرت عروہ نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سُنی ہوئی ایک اور روایت میں بھی کہا کہ جب حضور ﷺ پہاڑ سے لوٹے تو آپ ﷺ کا دل کانپ رہا تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی بھی دی اور ورقہ بن نوفل سے کہا کہ اپنے بھتیجے کی بات سنیں (۶) ظاہر ہے کہ محولہ بالا اصل تفصیلی حدیث کی طرح ابنِ سعد نے اس سے بھی اغماض برتا ہے۔

ابنِ اسحاق بھی حدیثِ عائشہؓ کو مکمل طور پر نہیں مانتے۔ سچے خوابوں والا حصہ تو نقل کرتے ہیں۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیداری کی حالت میں جبریلؑ کی آمد بیان کی ہے' ابنِ اسحاق نیند کی بات کرتے ہیں۔ "پڑھو اور کیا پڑھوں" کا مکالمہ بھی لکھتے ہیں اور جبریلؑ نے دبانے اور سورۂ علق کی آیتیں پڑھانے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ بیدار ہوئے تو سوچنے لگے کہ میں شاعر ہوں یا مجنون۔ پھر آپ ﷺ نے خود کشی کی کوشش کی۔ جبریلؑ آدمی کی شکل میں آ گئے اور اس اقدام سے باز رکھا۔ حضور ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ گئے (یہاں کمبل اوڑھانے کا ذکر نہیں ہے) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلّی دی اور اکیلی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں.... (۷)

ابنِ اسحاق نے ایک روایت یہ بھی لکھی ہے کہ حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس گئے تھے (۸) اس سے ظاہر ہے کہ ابنِ اسحاق بھی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی ساری جزئیات کو نہیں مانتے۔

سیرت ابنِ ہشام میں ہے کہ ریشمی کپڑے پر کچھ لکھا ہوا تھا' جبریلؑ نے وہ پڑھنے کے لیے کہا تھا۔ جبریلؑ بار بار کہتے تھے کہ پڑھو تو حضور ﷺ نے جان چھڑانے کے لیے کہا "کیا پڑھوں"۔ پھر پہاڑ کے وسط میں جبریلؑ نے تعارف کرایا۔ ابنِ ہشام بھی کمبل اوڑھانے کا ذکر نہیں کرتے اور لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ورقہ کے پاس اکیلی تشریف لے گئی تھیں۔ لکھتے ہیں کہ بعد میں ایک بار طوافِ کعبہ کے دوران حضور ﷺ کی ورقہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ ابنِ ہشام نے یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان سے عبید بن عُمیر بن قتادہ لیثی نے بیان کیا تھا۔ ابنِ ہشام نے یہ بھی لکھا ہے کہ خواب ہی کی حالت میں جبریلؑ سے ملاقات ہوئی تھی (۹) اس روایت کا حدیثِ عائشہؓ سے تفاوت بھی ظاہر و باہر ہے۔

ابنِ جریر طبری نے بھی رؤیائے صادقہ کی بات تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لی ہے لیکن آگے لکھتے ہیں۔ "وفجئا" روح القدس آپ ﷺ کے پاس آئے

اور کہا اے محمد ﷺ تم اللہ کے رسول ہو۔ حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت کھڑا ہوا تھا۔ گھٹنے کے بل بیٹھ گیا اور پھر خوف سے لرزہ براندام وہاں سے گھر بھاگ کر آیا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ ان سے کہا' مجھے چادر اوڑھاؤ' مجھے چادر اوڑھاؤ (یہ حضرت جابر ؓ کی روایت ہے) جب یہ ہراس جاتا رہا تو پھر روح القدسؑ میرے پاس آئے اور کہا' اے محمد ﷺ تم اللہ کے رسول ہو۔ اب تو خوف کی وجہ سے میری یہ حالت ہوئی کہ قریب تھا کہ پہاڑ کی کسی بلند چوٹی سے کُود کر خُود کُشی کر لوں۔ مگر جب میں نے یہ قصد کیا' انھوں نے زبردستی مجھے اس بات سے روک دیا اور کہا' اے محمد ﷺ میں جبریلؑ ہوں اور تم اللہ کے رسول ہو۔ پھر کہا' پڑھو۔ میں نے کہا' مجھے پڑھنا نہیں آتا"۔

اس کے بعد وہی جبریلؑ کے دبوچنے اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (صرف یہی) پڑھنے' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس اور ان کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کی بات لکھی ہے (۱۰) قارئین ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ طبری نے بھی حدیثِ عائشہؓ کو من و عن نقل نہیں کیا۔ (طبری لکھتے ہیں کہ "اقرا" کے بعد سورہ نٓ' سورۂ مُدثّر اور سورۂ والضحیٰ کی آیات نازل ہوئیں)

امام ابنِ حزم ظاہری کمبل اوڑھانے اور ورقہ کے پاس جانے کی بات نہیں کرتے (۱۱) علامہ نور الدین عبدالرحمان جامی پہلے خوابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ جبریلؑ آدمی کی صورت میں ایک سیاہ رنگ کی چادر لے کر آئے اور پڑھنے کو کہا۔ سورۂ علق کی آیتیں سننے اور جبریلؑ کے چلے جانے کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے خُود کُشی کرنا چاہی لیکن جبریلؑ آ گئے اور تعارف کروایا۔ پھر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اطمینان دلایا اور آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں۔ (۱۲)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری اسے خواب قرار دیتے ہیں۔ کپڑا اوڑھانے کی بات کرتے ہیں لیکن "پڑھو اور میں پڑھا ہُوا نہیں ہوں" قسم کے مکالمے کو نہیں مانتے' جبریلؑ کے معانقے کا ذکر نہیں کرتے مگر لکھتے ہیں کہ روح نے شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ بشارت قبول فرمایئے۔ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریلؑ ہوں (۱۳)

شاہ مصباح الدین شکیل بھی آغاز ہی میں تعارف ہو جانے اور واپسی پر پھر راستے میں جبرئیلؑ کے ملنے اور تعارف ہونے کی بات کرتے ہیں (۱۴) جو حدیث عائشہؓ میں نہیں ہے۔ شکیل ورقہ بن نوفل کا ذکر نہیں کرتے۔ ابن کثیر باقی روایت تو محولہ بالا حدیث سے لیتے ہیں مگر یہاں کمبل اوڑھانے کی بات نہیں کرتے بلکہ لکھتے ہیں کہ جب کم و بیش دو سال تک وحی کا سلسلہ رک گیا تو فرشتہ حضور ﷺ کو ملا۔ اسے دیکھ کر آپ ﷺ خوفزدہ ہوئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کمبل اوڑھانے کو کہا اور اس موقع پر سورۂ مُدَّثِّر کی چار آیتیں نازل ہوئیں (۱۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث جس میں جبرئیلؑ سے ملاقات اور سورۂ مدثر کے نازل ہونے کا ذکر ہے' امام قسطلانی نے اسے المواہبُ اللدنیہ میں نقل کر کے امام نووی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ باطل ہے اور یہ نزولِ وحی کی ابتدا کے بارے میں نہیں' بلکہ عہدِ فترت کے بعد سے متعلق ہے (۱۶) اسی طرح قسطلانی نے سب سے پہلے سورۂ فاتحہ کے نزول کی حدیث کے خلاف بھی لکھا ہے۔ یہ حدیث دلائل النبوت میں بیہقی نے نقل کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو ساتھ لے کر ورقہ کے پاس گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں خلوت میں "یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ" کی ندا سنتا ہوں تو بھاگ اٹھتا ہوں۔ ورقہ نے مشورہ دیا کہ آپ بھاگیے مت' پوری بات سُنیے۔ پھر آپ ﷺ نے سُنا کہ آپ ﷺ کو تسمیہ اور فاتحہ پڑھنے کو کہا گیا.... البتہ قسطلانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی استعاذہ والی حدیث کو یوں تسلیم کیا ہے کہ پہلے حضور ﷺ نے "اعوذ باللہ" پڑھا' پھر "اِقرأ" کی آیات پڑھیں۔

عبدالرحمان ابنِ جوزی نے پہلے سورۂ فاتحہ والی حدیث نقل کی ہے اور اس کے بعد ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کی بات کی ہے۔ پھر حدیثِ عائشہؓ نقل کی ہے۔ اس کے بعد سورۂ مدثر والی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ فترۃِ وحی کے بعد کی ہے۔ انھوں نے ایک اور روایت درج کی ہے کہ ایک بار رمضان میں حضورِ اکرم ﷺ غارِ حرا سے باہر نکلے تو "السلام علیک" کی آواز آئی۔ آپ ﷺ گھر آئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ

عنہا نے کپڑے سے ڈھانپ دیا اور تسلی دی۔ علامہ ابنِ جوزی نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ حضور ﷺ کو ملے' شق صدر کیا' پیٹھ پر مُہر نبوت لگائی اور کہا۔اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ (۱۷)

شیخ عبدالحق مُحدِّث دہلوی نے نزولِ وحی کے آغاز کے بارے میں لکھا۔

"جب آپ ﷺ کے پاس فرشتہ وحی لے کر آیا تو اس نے کہا' اے محمد ﷺ آپ کو خوشخبری ہو' میں جبرئیلؑ ہوں' خدا نے مجھ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس اُمّت کے جنّ وانس کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی دعوت دیجیے"۔ پھر ایک اور روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب جبرئیلؑ نے کہا' اِقْرَاْ یَا مُحَمَّدْ ﷺ تو سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا' میں کیا پڑھوں' میں نے تو کچھ نہیں پڑھا۔ اس پر جبرئیلؑ نے ایک جنّتی حریر کا نامہ نکالا جو موتی اور یاقوت سے مرصّع تھا اور کہا کہ پڑھیے... اس کے بعد وضو اور دو رکعت نماز ادا کی گئی اور حضور ﷺ گھر کی طرف مراجعت فرما ہوئے (۱۸) یوں' شیخ نے حدیثِ عائشہؓ میں یہ دو اضافے کیے ہیں۔ انھوں نے سورۂ مُدَّثِّر اور سورۂ فاتحہ والی احادیث نقل کر کے امام قسطلانی کی طرح ان کے خلاف امام نووی اور بیہقی کے اقوال نقل کیے ہیں۔

محمد حسین ہیکل اس واقعے کو بیداری کے بجائے خواب کا بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "ایک فرشتہ جس کے ہاتھ میں لکھا ہوا ایک ورق تھا' آیا اور اس نے (رؤیا ہی میں) یہ ورق آپ ﷺ کے سامنے کھول کر کہا "اِقرأ" جواب "مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ" نہیں' ہیکل لکھتے ہیں' حضور ﷺ نے فرمایا۔ "مَا اقرأ" (میں اس میں کیا پڑھوں) جب سورۂ علق کی پانچ آیتوں کی بات ہو گئی تو واپسی پر راستے میں پھر فرشتے سے ملاقات ہوئی۔ ہیکل نے لکھا ہے کہ ورقہ کے پاس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اکیلی گئی تھیں (۱۹) ۱۹۹۳ میں لاہور سے ایم ڈی فاروق ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ نے تاریخ محمد ﷺ میں یہ واقعہ قریباً" لفظ بہ لفظ ہیکل کی کتاب کے ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی کے ترجمے سے' اپنے نام سے نقل کر لیا ہے لیکن لطیفہ یہ ہے کہ "مَا اقرأ" کا ترجمہ ہیکل کے ہاں "مَیں اِس میں کیا پڑھوں"

ہے' ایم ڈی فاروق نے "مَا اَقْرَاُ" کا ترجمہ "میں پڑھنا نہیں جانتا" لکھا ہے (۲۰)

کئی سیرت نگاروں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے منسوب روایت نقل کی ہے لیکن شروع میں حضرت جبریلؑ کا حضور ﷺ سے تعارُف کروا دیا ہے (۲۱) محمد حسین ہیکل کی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی لکھا ہے کہ اُمُّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا اکیلی ورقہ بن نوفل کے ہاں گئی تھیں (۲۲)

علامہ شبلی نعمانی نے "پڑھئے' میں پڑھ نہیں سکتا" قسم کے مکالمے' جبریلؑ کے معانقے' کپکپی' کمبل اوڑھانے کا ذکر نہیں کیا' باقی واقعہ بیان کیا ہے (۲۳) پروفیسر طاہر القادری نے پہلے دلائل النبوت (بیہقی) کی روایت نقل کی ہے جس میں جبریلؑ کا حضور ﷺ سے تعارف ہے۔ پھر "اقرا" کے جواب میں "کیف اقرا" (کیسے پڑھوں) ہے اور پتھروں اور درختوں کا حضور ﷺ کو سلام نیاز پیش کرنا ہے۔ پھر انوارُ المحمدیہ ﷺ (۲۴) میں درج حدیث نقل کی ہے جس میں جبریلؑ نے سلام کے بعد وضو کا طریقہ بتایا اور نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا۔ اس کے بعد محمد طاہر القادری نے حدیثِ عائشہؓ نقل کی ہے (۲۵) پروفیسر مولوی محمد عبداللہ خاں (مہندر کالج پٹیالہ) اپنی کتاب خطباتِ نبوی ﷺ میں سورۂ علق کی آیات کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ سورۂ مدثّر کی آیات کی وحی ہوئی۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا یہ نشانات معلوم کر کے ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں... نیز ایک دوسرے راہب عداس سے بھی ذکر کیا۔ اس نے وہی جواب دیا' جو ورقہؓ نے دیا تھا (۲۶)

شاہ معین الدین ندوی نے حوالہ تو بخاری (باب بدء الوحی) ہی کا دیا ہے لیکن لکھا صرف یہ ہے کہ فرشتہ غیب آیا اور آپ ﷺ سے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقْ پڑھنے کو کہا۔ یہ واقعہ نہایت غیر معمولی تھا۔ آپ ﷺ گھر واپس تشریف لائے تو سینہ جلالِ الٰہی سے لبریز تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا سے واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں' خدا کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا اور آپ کو اپنے عزیز' ورقہ بن نوفل کے پاس جو توریت و انجیل کے عالم تھے' لے گئیں... (۲۷) نواب احمد حسین،

خاں نے صرف یہ لکھا۔ "جبریل امینؑ آئے اور انھوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ "اِقْرَاْ" یعنی پڑھو۔ آپ ﷺ نے فرمایا' کیا پڑھوں۔ کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ... مَالَمْ یَعْلَمْ" ۔ آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی اور وسطِ جبل پر تشریف لائے تو آسمان کی جانب سے یہ آواز سنی کہ اے محمد ﷺ تم خدا کے رسُول ہو اور میں جبریل ہوں۔ آنحضرت ﷺ تھوڑی دیر وہیں کھڑے کھڑے اس مبارک منظر کو مشاہدہ فرماتے رہے۔ جب جبریلؑ نظروں سے غائب ہو گئے تو آپ ﷺ نے وہاں سے آکر جو کچھ دیکھا اور سنا تھا' خدیجہ رضی اللہ عنھا سے بیان کیا۔ انھوں نے کہا' مبارک ہو' بخدا' میں امید کرتی ہوں کہ آپ ﷺ اس اُمّت کے نبی ہوں گے..... (۲۸)

مُلّا معین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ غارِ حرا میں استراحت فرما رہے تھے کہ جبریلؑ آئے اور کہا۔ "قُمْ یَا مُحَمَّدْ"۔ حضور ﷺ اٹھ بیٹھے۔ جبریلؑ نے کہا کہ میں روح الامین ہوں جو تمام انبیاء و مرسلینؑ پر اترا ہوں۔ پھر حضور ﷺ سے پڑھنے کو کہا (۲۹)۔

راجا محمد شریف کہتے ہیں کہ حیاتِ طیّبہ کے ۴۱ ویں سال کے پہلے دن جبریلؑ آئے اور تعارُف کروایا۔ اس کے بعد کپڑا اوڑھانے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا اور ورقہ بن نوفل کی تسلّیوں تک بات پہنچی۔ چھے ماہ بعد رمضان میں وحی کا باقاعدہ نزول ہوا' اس وقت وضو اور دو رکعت نماز کی نوبت آئی' اور بس (۲۹۔ الف)

قارئینِ کرام نے محسوس فرما لیا ہو گا کہ متقدّمین سے دورِ حاضر تک کے سیرت نگار ویسے تو حدیثِ عائشہؓ کو زیرِ بحث نہیں لاتے لیکن ہر شخص یا تو اس کے کچھ حصّوں کو چھوڑ دینا ضروری گردانتا ہے' یا کچھ اضافہ لابُدی سمجھتا ہے' یا کسی اور روایت کو بھی ساتھ ملا لیتا ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کے بعض حصوں کی تاویلیں کی ہیں' جن کا ذکر آگے آئے گا۔

کوئی سیرت نگار بیداری کے بجائے یہ واقعہ نیند ہی سے متعلق بتاتا ہے' کوئی کہتا ہے کہ جبریلؑ آئے تو انھوں نے اپنا تعارف کروایا اور حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔

کوئی "اقرا" اور "ما انا بقاریٔ" کے مکالمے سے کنی کترا کر گزر جاتا ہے' کوئی جبریلؑ سے معانقے کا ذکر نہیں کرتا' کسی کے نزدیک حضور ﷺ کی کپکپی کا جواز نہیں ہے' کوئی کمبل اوڑھانے کی روایت سے پہلو تہی کر جاتا ہے' کسی کے نزدیک حضورِ اکرم ﷺ کو اپنی جان کا خوف ہونا عجیب بات ہے' کوئی ورقہ بن نوفل کے پاس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اکیلے جانے کا قائل ہے' کسی کے نزدیک اس حدیث کے ساتھ دوسری حدیثوں کے ذکر کی بھی ضرورت ہے' کسی کو احساس ہوتا ہے کہ "اقرا" کہنا بامعنی نہیں بنتا' اس لیے وہ زیرِ نظر حدیث کی معاونت میں ایسی روایتیں لاتا ہے جن میں سے کسی میں ریشمی کپڑا' کسی میں سیاہ چادر' کسی میں ایک ورق ہوتا ہے اور اس کو سامنے رکھ کر "اقرا" کہلوایا جاتا ہے --- تو اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زیرِ نظر حدیث پر کسی بحث کی جسارت نہ کرتے ہوئے بھی' یہ سب حضرات حدیث میں بیان کردہ تمام جُزئیات کے بوجوہ قائل نہیں ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی صحیحین کی روایت کا ذکر تو کرتے ہیں لیکن ایک تو سورۂ علق کی تمام آیات کا مزاج یکساں محسوس کرتے ہیں اور ان کے الگ الگ قسطوں میں نازل ہونے کا کوئی قرینہ نہیں پاتے۔ دوسرے' اسے پہلی نازل ہونے والی سورہ بھی نہیں سمجھتے۔ لکھتے ہیں۔ "اس کے زمانۂ نزول کے متعلق مشہور قول تو یہ ہے کہ قرآن میں سب سے پہلے یہی سُورہ نازل ہوئی۔ بعض پوری سورہ کو سب سے پہلے نازل ہونے والی قرار دیتے ہیں لیکن اکثریت پوری سورہ کو نہیں' بلکہ اس کی صرف ابتدائی پانچ آیتوں کو یہ درجہ دیتی ہے۔ اس قول کی بنیاد صحیحین کی ایک روایت پر ہے۔

دوسرا قول صاحبِ کشاف کا ہے جو انھوں نے اپنی تفسیر میں بدیں الفاظ نقل کیا ہے ... (اور اکثر مفسرین اس قول پر ہیں کہ سورۂ فاتحہ پہلے نازل ہوئی' پھر سورۂ قلم) بعض مفسرین نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے لیکن بعض نے اسے اختیار بھی کیا ہے۔

ایک تیسرا قول یہ ہے کہ سورۂ مدثر سب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس قول کے قائلین بھی غالباً اس کی ابتدائی آیات ہی کو سب سے پہلے نازل ہونے والی قرار دیتے ہوں گے' اس لیے کہ باقی سورہ کا لب و لہجہ اور اندازِ خطاب سورہ علق کی طرح اتنا تیز و تند ہے

کہ اس کو سب سے پہلے نازل ہونے والی سورہ قرار دینا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

میرے نزدیک یہ پوری سورہ (علق / اقرا) بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہے' اس کی ابتدائی پانچ آیتوں کا مزاج بھی بعد کی آیتوں سے کچھ مختلف نہیں ہے' سورہ کا اندازِ خطاب و کلام اتنا تیز و تند ہے کہ بالکل پہلی ہی سورہ میں یہ انداز سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اختیار فرمایا گیا۔ علاوہ ازیں سورہ کے الفاظ میں کوئی قرینہ یا اشارہ ایسا موجود نہیں ہے جس سے اس کا دو الگ الگ قسطوں میں نازل ہونا معلوم ہوتا ہو"۔ (٣٠)

نازل ہونے والی پہلی آیات

(حواشی صفحہ ۱۰۴ پر)

روایتیں موجود ہیں کہ سب سے پہلے سُورۂ فاتحہ نازل ہوئی' پھر سُورۂ قلم' یا سب سے پہلے سورۂ علق نازل ہوئی' پھر سورۂ قلم' یا سب سے پہلے سورہ المدثر نازل ہوئی یا اوّلیت استعاذہ کو حاصل ہے یا اجلہ تابعین مثلاً حسن اور عکرمہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم" اتری۔ (٣١) اور ان احادیث کے راوی یا قائلین' ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا حدیثِ عائشہؓ کو نہیں مانتے۔ پھر مثلاً امین احسن اصلاحی بھی ہیں جو پوری سورۂ علق کو ایک یونٹ سمجھتے ہیں کہ ان کے حصوں کی الگ الگ تنزیل کے قائل نہیں۔

لیکن صرف سورۂ علق کی چند ابتدائی آیات کی اوّلیت کے قائلین ہی کو دیکھا جائے تو یہ صورت سامنے آتی ہے کہ بخاری شریف میں جو حدیثِ عائشہؓ منقول ہے' اس میں پہلی تین آیات (اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ) مذکور ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب یہی روایت مسلم شریف اور مشکوٰۃ شریف میں درج ہے تو اس میں پہلی پانچ آیات (مَالَمْ یَعْلَمْ تک) منقول ہیں (٣٢)

جن سیرت نگاروں نے نزولِ وحی کی ابتدا کے حوالے سے سورۂ علق کی پہلی پانچ آیتیں نقل کی ہیں' ان میں عُروہ بن زبیر' ابن اسحاق' ابن ہشام' ابن سعد' امام قسطلانی' عبدالرحمان ابن جوزی' مُلّا معین واعظ کاشفی' شیخ عبدالحق محدث دہلوی' ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی'

عبدالرحمان جامی، محمد حسین ہیکل، ابراہیم سیالکوٹی، شبلی نعمانی، قاضی سلمان منصور پوری، ابُو الاعلیٰ مودودی، محمد ادریس کاندھلوی، پیر محمد کرم شاہ، احسان الحق سلیمانی، صفی الرحمان مبارکپوری، ابو الحسن علی ندوی، شاہ مصباح الدین شکیل، نواب احمد حسین خاں، عبدالصمد رحمانی، مولوی عبداللہ خاں، عبدالحیٔ، قاضی نواب علی (۳۳) وغیرہ شامل ہیں۔ البتہ شیخ محمد رضا مصری، غلام احمد حریری اور محمد صالح (۳۴) نے سورۂ علق / اقرا کی پہلی تین آیات درج کی ہیں۔ امام ابنِ حزم ظاہری پہلی دو آیات کے قائل معلوم ہوتے ہیں (۳۵) پروفیسر غلام ربانی عزیز، شاہ معین الدین ندوی اور عبدالاحد خاں نے صرف پہلی آیت پر بات ختم کردی ہے (۳۶) مولوی برکت علی نے آیت تو ایک ہی نقل کی ہے لیکن لکھا ہے "تب آپ ﷺ نے یہ آیات پڑھیں"۔ (۳۷) علامہ محمد بن جریر طبری بھی ایک پہلی آیت ہی لکھتے ہیں (۳۸) حضورِ پاک ﷺ کے سپاہی امیر افضل خاں لکھتے ہیں "سورۂ اقرا کا نزول ہوا"۔ (۳۹) امین احسن اصلاحی کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ پُوری سُورہ کو اکلی تصوّر کرتے ہیں اور اس کے سب سے پہلے نزول کے قائل نہیں (۴۰) لطیفہ یہ ہوا کہ مولانا ابُو الکلام آزاد سورۂ علق کی پہلی پانچ آیتیں نقل کرتے ہیں لیکن انھیں چار آیتیں سمجھتے ہیں": "پھر اس پر غور کرنا چاہیئے کہ ابتدا کی ان چار آیتوں کا مطلب کیا ہے"۔ (۴۱)

حدیثِ عائشہؓ میں بیان کردہ نکات

بُخاری و مُسلم میں منقول حدیثِ عائشہؓ میں بیان کردہ نکات یہ ہیں:

۱۔ وحی کی ابتدا پاکیزہ خواب آنے سے ہوئی۔

۲۔ کوئی خواب ایسا نہ تھا جو سچ ہو کر ظاہر نہ ہوتا۔

۳۔ حضور ﷺ کو خلوت سے محبّت پیدا ہوئی اور آپ ﷺ غارِ حرا میں عبادت کرتے تھے۔

۴۔ کھانے پینے کی اشیا ختم ہو جاتیں تو سرکار ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے گھر آتے اور مزید کچھ عرصے کے لیے توشہ لے جاتے۔

۵۔ ایک دن آپ ﷺ غارِ حرا میں تھے کہ فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا۔

۶۔ فرشتے نے حضور ﷺ سے کہا "اِقْرَأ"

۷۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "مَا اَنَا بِقَارِیٔ"

۸۔ فرشتے نے کوئی ایسی چیز پیش نہیں کی جس پر کچھ لکھا ہُوا ہو۔

۹۔ فرشتے نے حضور ﷺ کو پکڑ کر زور سے دبایا۔

۱۰۔ "پڑھیے" "میں پڑھا ہُوا نہیں ہُوں" کا مکالمہ اور فرشتے کا معانقہ تین بار ہُوا۔

۱۱۔ پھر فرشتے نے کہا۔ "اقرا باسم ربک الذی خلق....." (سورہ علق کی تین یا پانچ آیات)

۱۲۔ حضور ﷺ نے یہ کلمات سنے یا سیکھے۔ واپس لوٹے تو آپ ﷺ کانپ رہے تھے / آپ ﷺ کا دل کانپ رہا تھا۔

۱۳۔ آپ ﷺ اسی حالت میں غارِ حرا سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے پاس تشریف لائے۔

۱۴۔ حضور ﷺ نے کمبل یا کپڑا اوڑھانے کے لیے فرمایا۔

۱۵۔ اس طرح آپ ﷺ کا خوف دور ہُوا۔

۱۶۔ حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کو سارا واقعہ سنایا۔

۱۷۔ آپ ﷺ نے فرمایا' مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔

۱۸۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے حضور ﷺ کی صفاتِ عالیہ بیان فرما کر تسلی دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شرمندہ نہیں کرے گا۔

۱۹۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا آپ ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔

۲۰۔ ورقہ عہدِ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے۔

۲۱۔ ورقہ نے حضور ﷺ سے پوری بات سن کر فرمایا کہ یہی وہ فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ ؑ پر نازل کرتا تھا۔

۲۲۔ ورقہ نے بتایا کہ حضور ﷺ کو قوم گھر سے باہر نکال دے گی۔

۲۳۔ حضور ﷺ نے اس پر استعجاب کا اظہار کیا۔

۲۴۔ ورقہ نے کہا کہ اللہ کا جو بھی فرستادہ آیا اس سے ضرور عداوت اور عناد کیا گیا۔

۲۵۔ ورقہ نے یہ بھی کہا کہ میری زندگی میں وہ وقت آیا تو میں آپ ﷺ کی پوری پوری مدد کروں گا۔

۲۶۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔

۲۷۔ وحی کا سلسلہ بھی کچھ مدت کے لیے رک گیا۔

رؤیائے صالحہ

(حواشی صفحہ ۵۰ پر)

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ بعض سیرت نگاروں کے نزدیک نزولِ وحی کا آغاز ربیع الاول میں ہوا اور بعض کے نزدیک ایام رمضان المبارک میں ہوا۔ حدیثِ عائشہؓ میں ہے کہ وحی کی ابتدا رؤیائے صالحہ سے ہوئی۔ کچھ اہلِ سِیَر نے ربیع الاول اور رمضان المبارک میں یوں تطبیق کی ہے کہ سچے خوابوں کے ذریعے تو وحی کا سلسلہ ربیع الاول میں شروع ہو گیا تھا۔ البتہ چھے ماہ بعد رمضان میں باقاعدہ جبرئیلؑ کی آمد ہوئی اور آیات نازل ہوئیں۔ یہ لوگ حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی ایک حدیثِ پاک کا انطباق اس واقعے سے کرتے ہیں۔ سرکارِ ابد قرار ﷺ نے فرمایا۔ (حضرت ابو سعید خدری ؓ کی روایت ہے) کہ رؤیائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں (۴۲) انطباق یوں کیا گیا ہے کہ نزولِ وحی کے بعد کا عرصۂ حیاتِ طیبہ ۲۳ برس ہے اور اس کا چھیالیسواں حصہ چھے ماہ بنتا ہے اور یہی وہ عرصہ ہے جب حضورِ اکرم ﷺ کو رؤیائے صالحہ آتے رہے۔ راجا محمد شریف لکھتے ہیں: "نبوت کی بشارت ملتے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ایک دن تھی.. . لیکن وحی کی دوبارہ آمد اور نزولِ قرآن کا آغاز بشارت کے چھے ماہ بعد... ہوا۔ یعنی نبوت کی بشارت اور نزولِ قرآنِ حکیم میں چھے ماہ کا فرق ہے۔ ان ۶ مہینوں میں آنحضرت ﷺ کو سچے خواب آتے رہے جو آپ ﷺ کے ۲۳ سالہ دورِ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں (۴۳) یہ بات بنیادی طور پر حافظ ابنِ حجر نے بیہقی کے حوالے سے لکھی ہے کہ "رؤیائے صالحہ کی مدت ۶ ماہ تھی اور اس کی ابتدا ربیع الاول شریف میں ہوئی جبکہ سرورِ عالم ﷺ کی عمر

مبارک پوری چالیس سال ہو گئی" (۴۴)

جبلِ نور اور غارِ حرا

(حواشی صفحہ ۵۰ پر)

حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء پر پہلی وحی غارِ حرا میں نازل ہوئی۔ یہ جبلِ نور پر واقع ہے۔ گرد و نواحِ مکہ کیا' میرا خیال ہے کہ پوری دنیا میں یہ پہاڑ اپنی منفرد ہیئت رکھتا ہے اور اس انفرادیت کا تعلق پہاڑ کے اس حصے سے ہے جس پر غارِ حرا واقع ہے۔ زیادہ تر سیرت نگاروں نے اس غار کو چار گز لمبا اور پونے دو گز چوڑا لکھا ہے مثلاً صفی الرحمان مبارکپوری' پروفیسر غلام ربانی عزیز' ڈاکٹر نصیر احمد ناصر' راجا محمد شریف' پیر محمد کرم شاہ' شاہ مصباح الدین شکیل' جاوید جمال ڈسکوی وغیرہ (۴۵)

محمد صدیق تھما بن حکیم حافظ غلام رسول نے لکھا ہے کہ غارِ حرا دس فٹ لمبی اور ۶-۲/۳ فٹ چوڑی ہے (۴۶) کتابوں میں عام طور سے تحریر ہے کہ جبلِ نور مکہ مکرمہ سے تین میل دور ہے البتہ حکیم عبدالکریم ثمر نے چار میل (۴۷) اور ڈاکٹر ایچ بی خاں نے اسے ۵ یا ۵ میل سے زیادہ کے فاصلے پر واقع قرار دیا ہے (۴۸) صفی الرحمان مبارکپوری نے یہ فاصلہ دو میل اور ممتاز ظافر نے تین کلومیٹر لکھا ہے (۴۹) ابو النصر منظور احمد شاہ نے غار کے بارے میں لکھا ہے کہ ڈیڑھ میل کی بلندی پر ہے (۵۰) عبدالکریم ثمر لکھتے ہیں۔ "یہ مٹیالے رنگ کے پتھروں کا وہ مسکن رسالت اور سجدہ گاہِ معرفت ہے جہاں نبوت سے قبل رسول اللہ ﷺ چالیس برس کی عمر تک قیام فرماتے رہے" (۵۱) یہ خلافِ واقعہ بات ہے۔ شاید وہ کہنا یہ چاہتے ہوں کہ چالیس سال کی عمر کے بعد وحی نازل ہو گئی اور پھر حضورِ اکرم ﷺ نے یہاں قیام نہیں فرمایا۔

پروفیسر عبدالرحمان عبد نے لکھا ہے کہ منٹگمری واٹ نے کوہِ حرا اور غارِ حرا کو مری یا نتھیا گلی کی طرح گرمائی صحت افزا مقام سمجھتے ہوئے لکھا ہے (محمد ﷺ ایٹ مکہ۔ ص ۴۴) کہ محمد ﷺ کا مکہ کے نواح میں واقع حرا کے پہاڑ پر اپنے اہل و عیال کے ساتھ یا ان کے بغیر جانا عین ممکن ہے کیونکہ جو لوگ طائف نہیں جا سکتے ہوں گے' ان کا ناگوار موسم

میں مکہ کی گرمی سے بچنے کا یہ ایک طریقہ ہو سکتا ہے۔ پروفیسر عبد نے اپنے ہمراہی عبدالرشید قریشی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ پہاڑ سطح بحر سے صرف ۶۱۹ میٹر بلند ہے' بنجر' ویران اور بے آب و گیاہ ہے' جس نے اسے بچشم خود دیکھا' وہ اسے گرمائی صحت افزا مقام نہیں لکھے گا۔ (۵۱)

شاہ مصباح الدین شکیل لکھتے ہیں۔ "جبل نور سطح سمندر سے دو ہزار فٹ اونچا ہے (۵۲)۔ ممتاز ظافر کہتے ہیں۔ "یہاں پر ایک ہزار فٹ اونچی (؟) قدیم غار ہے۔ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ابو النصر منظور احمد شاہ نے اس غار کی بلندی ڈیڑھ میل بتائی ہے اور عبدالرشید قریشی غار کی سطح سمندر سے بلندی ۶۱۹ بتاتے ہیں۔ میرے خیال میں عبدالرشید قریشی کی رائے درست معلوم ہوتی ہے' باقی قیاس آرائیاں ہیں۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری اس باب میں یوں رقم طراز ہوتے ہیں۔ "کوہِ حرا مکّہ معظمہ کے شمال میں ہے۔ مکہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پڑتا ہے۔ پہاڑ کے اوپر پھر ایک چوٹی گنبد کی طرح بلند ہو گئی ہے اور خوب بلند ہے.... چوٹی سے قریباً" بیس پچیس فٹ نیچے مکّہ کی جانب اتر کر وہ غار آتا ہے.... یہ غار کیا ہے۔ سطح ہموار ہے۔ بلندی قدِ آدم ہے۔ پہاڑ میں درمیان سے جوف پیدا ہو گیا ہے جس سے ایسی ڈھلوان چھت ہو گئی ہے جیسے خیمے کی ہوتی ہے"۔ (۵۳) صادق قریشی نے لکھا۔ "غار کے اندر ایک وقت میں بمشکل دو افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ غار کا منہ تکون کی شکل میں ہے جیسے پتھروں کا چھوٹا سا خیمہ ہو۔ بڑے بڑے پتھر اردو کے ہندسے "آٹھ (۸) کی صورت میں کھڑے ہیں جو سات فٹ اونچائی پر اور اندر کی طرف چھے فٹ گہرائی میں ملتے ہیں"۔ (۵۴)

راقم الحروف کو ۱۹۹۱' ۱۹۹۳ اور ۱۹۹۷ میں تین بار غارِ حرا میں نفل پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ غاروں کا جو تصوّر ہمارے ذہنوں میں ہوتا ہے' غارِ حرا اس کے مطابق نہیں۔ جب جبلِ نور کی چوٹی سے غارِ حرا کی طرف اترتے ہیں تو یہ حصہ پہاڑ کی "ٹیکسی" لگتا ہے۔ غار دائیں طرف ہے اور چوٹی سے سامنے دکھائی دیتا ہے لیکن اس تک رسائی کے

لیے بائیں طرف اترنا پڑتا ہے' پھر پہاڑ میں سے نہایت تنگ سی جگہ سے گزر کر غار کے دہانے کی طرف آنا ہوتا ہے۔ غار کا دہانہ بھی گول نہیں' اندر بھی گولائی نہیں ہے۔ غار سے اندر کی طرف چوڑائی کم ہوتی چلی جاتی ہے اور آگے بند ہے۔ ایک وقت میں ایک آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس کے قریب دوسرا آدمی سُکڑ سمٹ کر بیٹھ سکتا ہے۔ عمرے کے دنوں میں بھی اپنی باری کے لیے انتظار کرنا پڑتا ہے' حج کے دنوں میں تو وہاں نفل پڑھنا خاصا مشکل ہو گا۔ واپسی کے لیے وہی تنگ راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے جہاں سے غار تک پہنچنے کے لیے گزرے تھے۔ سیرت نگاروں نے عام طور سے غار کو چار گز لمبا اور دو یا پونے دو گز چوڑا لکھا ہے۔ مُلّا معین واعظ کاشفی کے خیال میں لمبائی چار گز اور چوڑائی بعض جگہ سے ۳/۱-۱ گز (چار فٹ) اور بعض جگہ اس سے بھی کم ہے (۵۵) چار گز بارہ فٹ اور دو گز چھے فٹ ہوتے ہیں۔ جہاں دو آدمی ایک وقت میں کھڑے نہ ہو سکتے ہوں' اسے پانچ چھ فٹ قرار دینا اور جہاں سجدے سے زیادہ آگے آدمی جا نہ سکتا ہو' اسے بارہ فٹ قرار دینا میرے خیال میں حقیقت سے قریب نہیں۔ ایک صاحب نے البتہ ہمیں یہ بتایا کہ پہلے نفل ادا کرنے والا سیدھا آگے نکل کر غار کے دوسری طرف سے واپس چلا جاتا تھا اور اس کی جگہ لینے والا نماز کی نیّت باندھ لیتا تھا لیکن مُرورِ زمانہ سے غار کا اگلا حصّہ تنگ ہو گیا اور وہاں سے گزرنا مشکل ہو گیا تو اسے بند کر دیا گیا۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر بارہ فٹ والی بات غار کا اگلا حصہ تنگ ہو کر بند ہو جانے سے پہلے شاید درست ہو۔

(حواشی صفحہ ۱۰۵-۱۰۶ پر)

تحنّث' تعبُّد یا تفکّر و تدبُّر

بُخاری' مُسلم اور مشکوٰۃ میں حدیثِ عائشہؓ کے جو الفاظ متفق علیہ ہیں' ان میں ہے "وَیَتَحَنَّثُ فِیْہِ"۔ اس کے بارے میں پیر محمد کرم شاہ "عُمدۃ القاری" کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ "یہ بات تفعل کا فعل مضارع ہے۔ اس باب کا اہم خاصہ یہ ہے کہ مصدری معنیٰ سے تجنّب پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی مصدری معنیٰ کی نفی کرتا ہے جیسے تاثم اس کا ماخذ اور مصدر اثم ہے جس کا معنی ہے گناہ کرنا۔ لیکن جب اس مصدر سے باب

تفعل بنا کر تاثم کہا جاتا ہے تو اُس وقت اس کا معنٰی ہوتا ہے گناہ سے اجتناب کرنا۔ اس طرح تہجد کا مصدر ہجود ہے جس کا معنٰی سونا ہے لیکن جب اس کا باب تفعل بنا کر تہجُّد کہا جاتا ہے تو اس کا معنٰی جاگنا ہوتا ہے جس میں سونے کی نفی کی جاتی ہے۔ اسی طرح تحنّث کا ماخذ حنث ہے جس کا معنٰی گناہ کا ارتکاب کرنا اور تحنّث کا معنٰی ہو گا "گناہوں سے اجتناب کرنا"۔ (۵۶)

تو سیدھا سیدھا حدیث کے الفاظ کا معنٰی یہ ہوا کہ وہاں (غارِ حرا میں) حضور ﷺ گناہ سے اجتناب فرماتے تھے۔ اس کا لابُدی مطلب یہ نکلتا ہے کہ غارِ حرا میں معتکف ہونے سے پہلے آپ ایسا نہیں کرتے تھے۔ اب یہاں سے حدیث کے ان الفاظ کی تاویل یا معانی میں تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا۔ کیونکہ اس حدیث کو تسلیم کرنے والوں کے دل بھی یَتَحَنَّثُ فِیْهِ کے الفاظ کو اور ان الفاظ کے معانی کو ہضم نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ضیاء النبی ﷺ کے محولہ بالا حوالے میں "گناہوں سے اجتناب کرنا" کے بعد لکھا ہے "یعنی اپنا وقت یادِ الٰہی میں صَرف کرنا"۔ پیر محمد کرم شاہ نے "عُمدۃ القاری" کے حوالے سے علّامہ عینی کا بیان کردہ دوسرا معنٰی بھی نقل کیا ہے۔ "ابو المعالی کہتے ہیں کہ تحنّث کا معنٰی تعبّد ہے یعنی عبادت کرنا"۔ بخاری کی شرح میں بھی یہی کہا گیا۔ "تحنّث کا مادہ حنث ہے جس کے معنٰی نافرمانی یا قسم توڑنے کے ہیں۔ تحنّث نازیبا اور ناشائستہ حرکت کرنے کو کہتے ہیں۔ مراد عبادت ہے"۔ (۵۷) ابنِ اثیر کہتے ہیں۔ "آپ غارِ حرا میں خلوت فرمایا کرتے تھے۔ وہاں آپ تحنّث فرمایا کرتے تھے۔ تحنث کئی رات (لگاتار) عبادت کرنے کو کہتے ہیں"۔ (۵۸)

حدیث میں منقول الفاظ "یَتَحَنَّثُ فِیْهِ" کی تاویلات سے یہ تو ظاہر ہے کہ یہ الفاظ بہرحال کسی نہ کسی تاویل کے محتاج ضرور پائے گئے۔ چنانچہ ابن الاعرابی اور شیبانی کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ "یتحنث" نہیں ہے بلکہ "یتحنف" ہے۔ املا کی غلطی سے ایسا لکھا گیا ہے۔ اس کا معنٰی ہے یکسُوئی سے اللہ تعالٰی کی عبادت کرنا (۵۹) حالانکہ حدیثِ عائشہؓ میں فَیَتَحَنَّثُ فِیْهِ کے ساتھ وَھُوَ التَّعَبُّدُ اللَّیَالِیَ.... کے الفاظ بھی

موجود ہیں۔ ہم نے شروع میں حدیثِ عائشہؓ کا جو ترجمہ (از عبدالرزاق) دیا تھا اس میں بھی انھوں نے "تحنّث" سے بچنے کی کوشش کی ہے"۔ آپ ﷺ غارِ حرا میں تنہا قیام فرماتے اور وہاں کئی کئی راتیں عبادت کرتے"۔ (۶۰) ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا ترجمہ دیکھیے۔ "چنانچہ آپ ﷺ غارِ حرا میں خلوت فرمانے لگے۔ وہاں آپ ﷺ "تحنّث" فرماتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں لگاتار شب و روز آپ ﷺ عبادت فرماتے تھے"۔ (۶۱)

ابنِ اسحاق نے یوں گریز کیا ہے کہ صرف یہ کہا ہے۔ "پھر آپ ﷺ خلوت پسند ہو گئے اور آپ ﷺ کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ نہ تھی کہ آپ ﷺ تنہائی اختیار کریں"۔ (۶۲) ابنِ سعد بھی لکھتے ہیں۔ "خلوت و گوشہ نشینی کی رغبت دے دی گئی اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ آپ ﷺ غارِ حرا میں گوشہ نشین رہتے تھے جس میں قبل اس کے کہ اپنے اعزہ و متعلقین کے پاس واپس آئیں، متعدد راتیں تنہائی و عبادت میں گزارتے تھے"۔ (۶۳) تاریخِ طبری میں بھی ہے۔ "آپ ﷺ کے دل میں عُزلت اور تنہائی کی رغبت ڈالی گئی چنانچہ آپ ﷺ غارِ حرا میں جا کر کئی کئی راتیں، بغیر گھر آئے، مسلسل عبادت میں بسر کرنے لگے"۔ (۶۴) ابنِ جوزی نے لکھا۔ "پھر آپ ﷺ کے دلِ اقدس میں خلوت اور گوشہ نشینی کی محبّت پیدا کر دی گئی تو آپ ﷺ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے، زادِ راہ ہمراہ ہوتا اور چند دن وہاں عبادت میں مصروف رہتے"۔ (۶۵)

سب لوگ یہ لکھتے ہیں کہ آقا حضور ﷺ کو تنہائی محبوب ہو گئی تھی۔ شبلی نعمانی نے صرف یہ لکھا ہے۔ "صحیح بُخاری میں ہے کہ آپ ﷺ غارِ حرا میں تحنّث یعنی عبادت کیا کرتے تھے"۔ (۶۷) ابُو الاعلٰی مودودی لکھتے ہیں۔ "حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے تحنّث کا لفظ استعمال کیا ہے جس کی تشریح امام زہری نے تعبّد سے کی ہے"۔ (۶۸)

البتہ جن لوگوں کو حضور ﷺ کے مقام کی عظمت کا احساس نہیں ہے، انھوں نے "تحنّث" کو اس کے اصل معنوں میں استعمال کرنے کی جسارت کی ہے اور کسی تاویل کے نزدیک نہیں پھٹکے۔ مثلاً ابو الجلال ندوی لکھتے ہیں۔ "کچھ عرصہ بعد آپ ﷺ کو بزم و

انجمن سے الگ تنہائی میں تحنّث (حنث: گناہ سے بچنے بچانے) کا شوق پیدا ہو گیا اور آپ ﷺ کئی کئی راتوں کا توشہ لے کر غارِ حرا میں چلا جایا کرتے تھے اور وہاں تحنّث فرمایا کرتے تھے"۔ (۶۹)

اگر ہم "یتحنث فیہ" کی کسی تاویل کا ہاتھ نہ پکڑیں تو (نعوذُ باللہ) یہ تاثّر پیدا ہوتا ہے کہ حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم گناہ کے لوث سے پاک نہیں تھے اور غارِ حرا میں جا کر گناہوں سے دور رہنے کی مشق فرمایا کرتے تھے۔ حقیقت یہی ہے کہ حضور سرورِ انام علیہ التحیۃ والسّلام اللہ تعالیٰ کی عبادت اور کائنات میں تفکّر و تدبُّر کی غرض سے غارِ حرا میں قیام فرماتے تھے، کسی لوث سے بچنے کے لیے نہیں کہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیّبہ کا ہر لمحہ ہر لوث سے پاک رہا ہے۔

غارِ حرا میں اشیاءِ خُورد و نوش

(حواشی صفحہ ۱۰۶ پر)

حضورِ اکرم ﷺ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تو کھانے پینے کی ضروری اشیا ساتھ لے جاتے۔ "اور آپ ﷺ پانی اور ستّو لے کر غارِ حرا میں چلے جاتے تھے"۔ (۷۰) حدیثِ عائشہؓ میں ہے کہ کھانے پینے کی اشیا ختم ہو جاتیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر آتے اور مزید کچھ عرصے کے لیے توشہ لے جاتے (۷۱)

زیرِ نظر حدیث میں اپنے گھر آنے کی بات نہیں ہے، امُّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر آنے اور وہاں سے سامانِ خورد و نوش لے جانے کا ذکر ہے۔ (یاد رہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان گھروں کو جن میں ہماری مائیں یعنی ازواجِ رسولِ کریم ﷺ رضی اللہ عنہن قیام پذیر رہیں، اُن کو محترم اُمّہاتُ المؤمنین ؓ کے گھر نہیں فرمایا، "بُیُوْتَ النَّبِیِّ ﷺ" فرمایا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ۔ الاحزاب: ۵۳)

ظاہر ہے کہ بعد کے زیادہ تر سیرت نگار حضرات نے بھی اسی روایت پر انحصار کیا ہے مثلاً عبدالرحمان ابنِ جوزی لکھتے ہیں: "پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس

تشریف لاتے اور دوبارہ زادِ راہ لے کر غارِ حرا کو انوارِ عبادت سے منوّر فرماتے"۔ (۷۲) ابنِ سعد لکھتے ہیں۔ "پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آتے تھے۔ اسی طرح راتوں کے لیے توشہ لے لیتے تھے"۔ (۷۳)

حدیثِ عائشہؓ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی بات ہے اور صرف طعام لے جانے کا ذکر ہے حالانکہ اس وقت تک حضور سیّد و سرورِ کائنات علیہ السّلام والسّلوٰۃ کی چاروں بچیاں موجود تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی تیس سال کی عمر میں پیدا ہوئیں، حضرت رُقیّہؓ کی پیدائش کے وقت سرکار ﷺ کی عمر مبارک ۳۳ برس تھی، حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی ولادت نزولِ وحی سے چھے سال قبل ہوئی، اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ بھی پیدا ہو چکی تھیں۔ (۷۴)

انھی حقیقتوں کے پیشِ نظر بعض سیرت نگاروں نے حدیثِ عائشہؓ کے اس پہلو سے صَرفِ نظر کی کوشش کی ہے مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ "آپ ﷺ اپنے کاشانۂ اقدس سے کچھ طعام لے جایا کرتے اور جب طعام ختم ہو جاتا، یا گھر والوں کی جانب رُجحان ہوتا تو پہاڑ سے اتر آتے۔ اس کے بعد آپ ﷺ توشہ لے کر دوبارہ تشریف لے جاتے"۔ (۷۵) پروفیسر غلام ربّانی عزیز نے "حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا گھر" بھی نہیں کہا اور بچوں کا بھی خیال رکھا ہے، اس طرح حدیثِ عائشہؓ کے اس پہلو سے خاصے دُور ہوئے ہیں مگر حضورِ اکرم ﷺ کے لیے "راتب" کا لفظ استعمال کرنے میں جس بے احتیاطی کے مرتکب ہوئے ہیں، اس کے بارے میں دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے، ورنہ ان سے بہت بڑی گستاخی ہوئی ہے جو "اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ" کی وعید کو عمل میں لا سکتی ہے۔ لکھتے ہیں۔ "پینے کو پانی اور کھانے کو جَو کے ستّو آپ ﷺ کا راتب (نعوذ باللہ۔ محمود) تھا۔ راشن ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لاتے۔ گھڑی دو گھڑی ستاتے، بچوں کو پیار کرتے، کوئی چھوٹا موٹا کام رُکا پڑا ہوتا تو اسے سرانجام دیتے اور ضرورت کی اشیا لے کر واپس لوٹ جاتے"۔ (۷۶)

صفی الرحمان مبارکپوری کا کہنا ہے کہ "حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہر بار

آپ ﷺ کے ہمراہ جاتیں اور قریب ہی کسی جگہ موجود رہتیں"۔(۷۷) اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب روایت کی نفی کر رہے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ غارِ حرا سے قریب شاید کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا موجود رہ سکتیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ چھوٹی بچیوں کو گھر چھوڑ کر شب و روز غارِ حرا کے قریب کسی جگہ گزارنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ممکن کہاں تھا۔ یہ بات بہرحال کئی کُتُبِ سیرت میں منقول ہے کہ جس دن نزولِ وحی کا آغاز ہوا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی حضور پر نور ﷺ کے ساتھ آئی تھیں۔ اگرچہ ان روایات کے آخر میں پھر حضور ﷺ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچنا بیان کیا گیا ہے۔ بہرحال' ذکر اس روایت کا ہو رہا ہے جو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اور اس میں یہ بات موجود ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ سامانِ خورد و نوش ختم ہو جانے پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے اور وہاں سے مزید سامان لے آتے تھے۔ **عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب** نے تو سیدھے صاف انداز میں لکھ دیا ہے۔ "جب آپ ﷺ کا کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو واپس آکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اتنی مدت کا خرچ لے کر واپس چلے جاتے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاتے"۔ (۷۸)

ابو الاعلیٰ مودودی بھی ایسی کسی صورت میں کوئی کوتاہی نہیں دکھاتے' بڑھ چڑھ کر بات کرتے ہیں۔ "آپ ﷺ کھانے پینے کا سامان گھر سے لے کر وہاں چند روز گزارتے' پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور وہ مزید چند روز کے لیے سامان آپ ﷺ کے لیے مہیا کر دیتیں"۔ (۷۹)

کیا حضرت خدیجہؓ حضور ﷺ کا معاشی سہارا تھیں؟

(حواشی صفحہ ۱۰۶–۱۰۷ پر)

اصل میں حضور ﷺ کے غارِ حرا سے اپنے گھر آنے کے بجائے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر آنا' ان سے کھانے پینے کا سامان یا "چند روز کا خرچ" لے کر غارِ حرا واپس جانا اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دست

نگر دکھایا جائے۔ یہ منوایا جائے کہ حضور ﷺ کماتے کچھ نہیں تھے' بس بیوی کے "نان نفقہ" پر گزر اوقات کرتے تھے۔ اسی لیے نہ ان کا کوئی گھر تھا' نہ ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ تھا' یہ سب کچھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مہربانی سے نصیب ہوا۔ **شہناز کوثر** نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب **حضور ﷺ کا معاشی نظام** میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور ان مزعومات کی دلائل و براہین کے ساتھ تغلیط کی ہے۔ ایک جگہ لکھتی ہیں۔ "لکھا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان (حضورِ اکرم ﷺ) کی شادی نے ان کے سارے مالی دُلدّر دُور کر دیئے اور پھر انہیں کمانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یوں' سرکار ﷺ بیوی کے مال پر گزر بسر کرنے لگے۔ اعلانِ نُبوت کے بعد' ہمارے آج کل کے مولویوں کی طرح ادھر اُدھر سے کھانا آجاتا تو کھا لیتے تھے اور آجکل کے بعض پیروں کی طرح ہدیے وصول کر کے گزارا کرتے تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد غنائم کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر کمائی کے کسی اور ذریعے کی ضرورت نہ رہی۔ قارئینِ محترم سے التماس ہے کہ اپنے دل سے پوچھیں کہ اپنے اُمتیوں کو کما کر کھانے اور لوگوں کو کھلانے کی ترغیب اور ہدایت دینے والے نبیِّ اکرم ﷺ کی معاشی زندگی واقعی یہی تھی تو کیا آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی میں ہمیں بھی ہاتھ توڑ کر نہیں بیٹھ رہنا چاہیے۔ مالدار بیواؤں کے ساتھ شادی کر کے عیش کرنے والے' ہماری اسلامی معاشرے کے اہم ترین اور نیک ترین افراد کیوں قرار نہ دے دیئے جائیں اور نکھٹو خاوندوں کی' معاشرے میں سب سے زیادہ عزت و توقیر کیوں نہ کی جائے۔

حضور ﷺ کی معاشی زندگی کو اس آئینے میں پیش کرنے والے' بڑے بڑے محدثین' بڑے بڑے نامور سیرت نگار ہیں' اس لیے آج کا لکھنے والا محفوظ ترین راستہ یہ تلاش کرتا ہے کہ رٹی پٹی باتیں دُہراتا رہے۔ اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ محنت کی ضرورت نہیں' تفکّر و تدبّر کی حاجت نہیں' تحقیق و تفحّص کی سنگلاخ گھاٹیوں سے گزرنے کا تردّد نہیں کرنا پڑتا"۔ (۸۰)

مُلّا معین واعظ کاشفی لکھتے ہیں۔ "خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خزانوں کے

دروازے کھول دیے اور وہ تمام آنحضرت ﷺ کی ملک اور ان پر قربان کر دیے اور کہا' یہ نہیں کہ امورِ معیشت میں آپ میرے ممنونِ احسان رہیں۔ یہ تمام مال آپ ﷺ کی ملکیت ہے"۔ (۸۱)

ایک صاحب (ڈاکٹر نُور محمدؐ غفاری۔ اب شاید قومی اسمبلی کے رُکن بھی منتخب ہو گئے ہیں) نے **نبیٔ کریم ﷺ معاشی زندگی** کے نام سے کتاب لکھی ہے' اس میں حضورِ اکرم ﷺ کو غریب اور عُسرت زدہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ دو سُرخیاں دیکھیے: حضرت خدیجۃُ الکبریٰ رضی اللہ عنھا سے نکاح اور آپ ﷺ کی معاشی پریشانیوں کا علاج۔ آپ ﷺ کے دو معاشی سہارے (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا اور حضرت ابو طالب ؓ) چھن گئے۔ متن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کو معاشی خوشحالی کا اور حضرت ابوطالب ؓ کو غیرت مندانہ فقر کا سہارا قرار دیا ہے (۸۲) ایک اور صاحب لکھتے ہیں۔ "حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا سے شادی ہو جانے کے بعد آپ ﷺ کی فارغ البالی اور تموُّل میں کافی اضافہ ہو چکا تھا"۔ (۸۳)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورت کو نبوت کا سہارا' ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا' اور بُجھی ہوئی نگاہوں میں امید و یقین کی شمع قرار دینے کی جرأت کی جانے لگی۔ "تاریخ شاہد ہے کہ عورت نے نبوت کو سہارا دیا اور عظیم اعزاز حاصل کیا۔ گھبرائے ہوئے دلوں کو سہارا دینا' ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا' بجھی ہوئی نگاہوں میں امید و یقین کی شمعیں روشن کرنا' خدمتِ خلق ہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے اس بات میں بے مثال وفاداری اور جانثاری سے طبقۂ اناث کے لیے وہ درجہ و اعزاز حاصل کر لیا جو تاقیامت ان کے لیے طرۂ امتیاز رہے گا"۔ (۸۴)

اب کچھ لوگوں نے رٹی پٹی باتیں کرنے کے بجائے سوچ بچار سے بھی کام لینا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ غلام احمد پرویز لکھتے ہیں۔ "عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی مکّی زندگی بڑی عُسرت اور تنگدستی کی تھی لیکن یہ درست نہیں۔ قرآن کریم حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ۹۳:۸۔ ہم نے تجھے تنگ

دست پایا تو غنی کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی وہ زندگی ایک غنی کی زندگی تھی۔ یعنی ایسی زندگی جس میں آپ ﷺ کو اپنی ضروریات کے لیے کسی کا محتاج نہیں ہونا پڑتا تھا"۔ (۸۵)

ضیاء الدین کرمانی اپنی انگریزی کتاب "دی لاسٹ میسنجر ود دی لاسٹنگ میسج" میں محولہ بالا آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ "یہ بات بہت بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اشارہ یہاں آپ ﷺ کے اپنے اموال اور دولت کے بجائے آپ ﷺ کی زوجہ خدیجہ رضی اللہ عنھا کی دولت کی طرف ہو"۔ (۸۶)

وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی کے ترجموں میں بھی لوگوں نے بڑا غچا کھایا ہے۔ **کرنل (ر) محمد انور مدنی** کہتے ہیں۔ "تنگدست اور حاجت مند وغیرہ معانی کرنے سے آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں توہین کا پہلو نکلتا ہے کیونکہ آپ ﷺ تو بانٹنے والے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے وَاللّٰہُ مُعۡطِیۡ وَ اَنَا قَاسِمٌ اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔ چنانچہ جو بانٹنے والا ہو' جس کے درِ اقدس سے کائنات جھولیاں بھر بھر کرلے رہی ہو' وہ خود کیسے تنگ دست یا حاجت مند ہو سکتا ہے۔ اس کے معنی فقر کے ہیں اور فقر کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان ہے اَلۡفَقۡرُ فَخۡرِیۡ۔ فقر میرا فخر ہے.... الغنی کے معنیٰ مطمئن کر دینا' کافی ہونا' بے نیاز کرنا ہے۔ اسی سے لفظ استغنا نکلا ہے۔ فقر کے لفظ کی نسبت سے یہاں معنی بے نیاز ہونے کا ہے"۔ (۸۷)

حضور ﷺ کی معاشی زندگی (۸۸) میں ہے۔ "ہمارے بیشتر سیرت نگار حضرات' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کو حضور ﷺ کا معاشی سہارا کہہ کر جو کچھ ثابت کر رہے ہیں' وہ کسی معاشرے میں لائقِ عزّت نہیں ہوتا۔ اگر نعوذ باللہ حضور ﷺ اپنی زوجۂ محترمہ کے مال پر گزارا کرتے تو معاشرے میں کوئی عزّت نہ پا سکتے اور جب آپ ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا اور آپ ﷺ کی مخالفت میں رقسم رقسم کی باتیں کی جانے لگیں تو کوئی نہ کوئی دشمنِ اسلام یہ طعنہ ضرور دیتا کہ بیوی کی روٹیوں پر گزارا کرنے والا نبی کیسے ہو سکتا ہے"۔

پھر کوئی سیرت نگار ایسی کوئی مثال بھی تو سامنے لائے کہ فلاں معزز شخص اس زمانے میں خود کچھ نہیں کماتا تھا' بیوی کی کمائی پر گزر اوقات کرتا تھا' اور کسی طرح کی حیثیت میں کوئی عزت بھی کماتا تھا۔ جب ایسی کوئی اور مثال سامنے نہیں ہے اور حضور ﷺ پر کوئی کافر بھی اس قسم کی طعنہ زنی نہیں کرتا تو ہمارے سیرت نگار کس بنیاد پر آپ ﷺ پر یہ الزام لگاتے ہیں۔

آج کے زمانے میں' جب عورت کا کمانا بھی ضرورت بنتا جا رہا ہے اور ہمارے ماحول میں بھی بہت سی عورتیں شریفانہ زندگی گزارنے کے لیے ملازمت یا کاروبار کرتی ہیں' جو شخص محض عورت کی کمائی پر رہے' اسے نکھٹو کہتے ہیں اور وہ کسی سطح پر عزت نہیں پا سکتا۔ پھر اس زمانے کے عرب میں' تمام زمانوں کی عظیم ترین ہستی پر یہ تہمت تراشنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

حضور ﷺ کا کوئی اُمتی کیا یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے یا اس بات میں حقیقت کی کوئی رمق موجود ہو سکتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حکم دوسروں کو دیتے ہوں' خود اس پر عمل نہ فرماتے ہوں۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو تو مسلمانوں کے لیے نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ ایسے میں ہم خطبۂ حجۃ الوداع میں حضور ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کو کیوں پیشِ نظر نہیں رکھتے کہ تم پر بیویوں کا حق ہے۔ ان کی روٹی' کپڑا' دستور کے مطابق تمھارے ذمّے ہے۔ (۸۹) سُنن ابُو داؤد میں ہے' حضور ﷺ نے فرمایا' جب تو کھانا کھائے تو اپنی بیوی کو بھی کھلا اور جب تو کپڑا پہنے تو اس کو بھی پہنا۔ (۹۰)

اس سے واضح ہے کہ مرد پر عورت کا نان نفقہ واجب ہے' یہ ذمہ داری مرد کی ہے کہ وہ عورت کے اخراجات کا انتظام کرے۔ کسی حدیثِ پاک میں ایسی کوئی ذمّے داری عورت پر نہیں ہے کہ وہ مرد کو کما کر کھلائے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے اہلِ ایمان پر تو اپنی بیویوں کا نان نفقہ واجب قرار دیا ہو اور اپنے لیے یہ صورت پسند کر لی ہو کہ بیوی کے مال پر گزارا کریں۔

بخاری شریف میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' حضور ﷺ نے

فرمایا کہ مرد خالص خدا کی رضا مندی کے لیے اپنی بیوی پر خرچ کرے تو وہ خرچ کرنا اس کے لیے خیرات کا حکم رکھتا ہے (۹۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کا عورت پر' رضائے الٰہی کی نیت سے خرچ کرنا خیرات کا ثواب بھی دلاتا ہے لیکن دیکھنا چاہیے کہ اگر مرد کمانے کے قابل نہ ہو تو کماؤ بیوی کا مرد پر خرچ کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنتِ ابی معاویہ' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا صناع دستکار تھیں' کما کر اپنے خاوند پر خرچ کر دیتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ایک اور انصاری عورت کے ساتھ کہ انھیں بھی یہی مسئلہ درپیش تھا' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعے حضور ﷺ تک یہ گزارش پہنچائی کہ ہم صدقہ کرنا چاہتی ہیں۔ اگر اجازت ہو تو اپنے خاوندوں پر صدقے کی رقم خرچ کر دیں۔ آقا حضور ﷺ نے فرمایا' انھیں دُہرا ثواب ملے گا۔ ایک قرابت کا' ایک صدقے کا (۹۲)

یعنی اگر مرد عورت پر خرچ کرے تو خیرات ہے اور عورت مرد پر خرچ کرے تو صدقہ ہے ۔ ۔ ۔ اور' میرے آقا' حضورِ اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت کے لیے صدقہ جائز نہیں تھا۔ بہز بن حکیم اپنے والدِ گرامی کے واسطے سے اپنے دادا سے راوی ہیں کہ رسولِ کریم علیہ السّلام نے فرمایا' صدقہ نہ محمد ﷺ کے لیے حلال ہے اور نہ ہی آلِ محمد ﷺ کے لیے (۹۳) آپ ﷺ نے اپنے خاندان والوں کے لیے صدقہ حرام قرار دیا تھا' (۹۴) بخاری شریف ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی ایک کھجور اپنے منہ میں رکھ لی تو حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا' کھجور پھینک دو۔ کیا تمھیں یہ بات نہیں معلوم کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔ (۹۵)

جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تشریف آوری سے قبل لوگوں کو آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دیتے تھے' وہ بھی ایک خصُوصیّت یہ بیان کرتے تھے کہ حضور ﷺ ہدیے اور تحائف تو قبول فرمالیں گے مگر صدقے کا مال نہیں کھائیں گے۔ (۹۶)

واقعہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صدقہ نہیں لیتے تھے اور بیوی کے مال

کی ایک حیثیت خاوند کے لیے صدقے کی ہوتی ہے' اس لیے حضور ﷺ اپنے زوجۂ محترمہ کا مال استعمال ہی نہیں کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ تو صدقہ دیا کرتے تھے۔ **روضۃ الاحباب** میں ہے۔ "آپ ﷺ بہت زیادہ صدقہ دیا کرتے تھے اور صدقۂ فطر عید کی نماز سے قبل ادا فرماتے اور مساکین کو دیتے تھے"۔ (۹۷) **ابنِ قیم جوزی** لکھتے ہیں۔ "آپ ﷺ نے اللہ کی راہ میں اپنی ایک زمین وقف کی اور مسلمانوں کے لیے اس کی آمدنی صدقہ کر دی تھی"۔ (۹۸)

شہناز کوثر نے اس موضوع پر لکھا۔ "اگر حضور ﷺ کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں تھا اور آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال پر گزر بسر فرماتے تھے اور اسی حالت میں غارِ حرا میں مہینا مہینا قیام فرماتے تھے تو کیا لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رہبانیت کا الزام نہیں تراش رہے ہیں جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اعلانِ نبوت سے پہلے بھی اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کماتا نہیں ہے اور کسی پہاڑ کی چوٹی پر واقع غار میں بیٹھ کر عبادت یا غور و فکر کرتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے حوالے سے کوئی پسندیدہ عمل نہیں کرتا' چہ جائیکہ ہم یہ بات حضور ﷺ سے منسوب کر دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کا سامانِ تجارت آپ ﷺ کے شریکِ تجارت حضرات لے جاتے تھے اور اس کا منافع آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا تھا جسے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام غریبوں' مسکینوں پر خرچ کرتے رہتے تھے۔" (۹۹) کتاب **"حضور ﷺ کی معاشی زندگی"** میں اس موضوع پر تفصیلی بحث و تمحیص کے ساتھ یہ حقائق ثابت کیے گئے ہیں۔

فرشتے کی غار میں آمد

(حواشی صفحہ ۱۰۷-۱۰۸ پر)

حدیثِ عائشہؓ کا جو ترجمہ ہم نے شروع میں درج کیا ہے' اس کے مطابق "ایک دن جب آپ ﷺ غارِ حرا ہی میں تھے' پیغامِ حق آپ ﷺ پر نازل ہوا' چنانچہ آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آیا"۔ اس روایت کی رو سے حضور سیّدِ عالم و عالمیاں ﷺ غارِ حرا میں

تھے۔ بیداری کی حالت میں تھے۔ آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آیا۔ روایت میں فرشتے کا نام نہیں ہے۔ نیز اسے دیکھ کر ڈرنے کانپنے کا ذکر بھی نہیں ہے۔

ہمارے سیرت نگار عام طور سے اسی کے قائل ہیں کہ جب فرشتہ آیا اور نزولِ وحی کا آغاز ہوا' اس وقت حضور سرورِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام حالتِ بیداری میں تھے۔ لیکن ابنِ اسحاق (۱۰۰) ابنِ ہشام (۱۰۱) مُلّا معین واعظ کاشفی (۱۰۲) محمد حسین ہیکل (۱۰۳) اور ہیکل کی نقل میں ایم ڈی فاروق ایڈووکیٹ (۱۰۴) لکھتے ہیں کہ جب یہ صورت پیش آئی' سرکارِ والا تبار ﷺ نیند میں تھے۔ یہ بات حدیثِ عائشہؓ سے مختلف اور متضاد ہے۔

ابنِ اسحاق اور **ابنِ ہشام** کے علاوہ نواب احمد حسین خاں بھی لکھتے ہیں کہ جب یہ صورت پیش آئی' اس وقت حضور ﷺ اکیلے نہیں تھے۔ **سیرۃ ابنِ اسحاق** میں ہے کہ گھر والے بھی ساتھ تھے۔ **سیرۃ ابنِ ہشام** میں ہے کہ حضور ﷺ مع اپنی اہلیہ کے غارِ حرا میں تشریف لے گئے۔ اور نواب احمد حسین خاں کی **تاریخِ احمدی** ﷺ میں ہے کہ "مع اپنے اہل کے" تشریف لے گئے (۱۰۵) حدیثِ عائشہؓ میں ایسی کوئی بات نہیں۔ اس سے تو مترشح ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ اکیلے غارِ حرا میں تشریف لے گئے تھے۔ بعد میں سرکار ﷺ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچنا اور انھیں صورتِ حال سے آگاہ کرنا بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ نہیں گئی تھیں۔

حدیثِ عائشہؓ میں فرشتے کا ذکر ہے' نام نہیں لیا گیا۔ لیکن کئی سیرت نگاروں نے دوسری روایتوں کے حوالے سے یا اسی روایت پر تکیہ کرنے کے باوجود حضرت جبریلؑ کا نام لکھا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس موقع پر حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے ڈرنے کانپنے کا ذکر نہیں ہے جبکہ کچھ سیرت نگاروں نے اس موقع پر بھی حضور ﷺ کو خوف زدہ دکھانے کی سعی کی ہے۔

اِقْرَأ

(حواشی صفحہ ۱۰۸-۱۰۹ پر)

عمدۃ الرشد ۵۵ ۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب زیر نظر روایت [illegible]

کہا گیا ہے کہ فرشتے نے حضورِ اکرم ﷺ سے کہا "اِقْرَأْ"۔ ہر سیرت نگار روایت کے اس حصے کو نقل کیے جا رہا ہے لیکن آج تک کسی نے اس طرف توجّہ نہیں دی کہ سورۂ علق کی پہلی ایک آیت' یا تین آیات یا پانچ آیات اللہ کا کلام ہے۔ پہنچانے والے کا کام ان آیات کو حضور رسولِ کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم تک پہنچا دینا ہے۔ اوّلاً" حضرت جبریلؑ ان آیات کو ٹکڑوں کی شکل میں پہنچانے کا حق نہیں رکھتے تھے۔ ثانیاً" یہ الفاظ ربِّ قدّوس کے ہیں' انھیں اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی حیثیت میں پہنچایا جانا تھا لیکن زیرِ نظر روایت کی رُو سے اس آیت یا ان آیات کا پہلا لفظ "اقرا" جبریلؑ نے اپنی طرف سے حضورِ اکرم ﷺ تک پہنچایا۔ حضور ﷺ نے جبریلؑ کی یہ بات سن کر اس کا جواب دیا (روایت کے مطابق) مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ۔ پھر جبریلؑ نے یہ جسارت تین بار کی کہ اللہ کے کلام کو اپنا کلام بنا کر حضور ﷺ تک پہنچایا اور آپ ﷺ سے جواب سنا۔

حضرت جبریلؑ پہلے انبیا و رسل علیہم السلام تک بھی اللہ کا کلام پہنچاتے رہے' حضورِ اکرم ﷺ تک بھی وہ اللہ کا کلام آخر تک پہنچاتے رہے۔ ان پر کبھی یہ الزام نہیں آیا کہ انھوں نے اس ڈیوٹی کو ٹھیک ٹھاک نہ ادا کیا ہو۔ لیکن زیرِ نظر روایت میں عملاً" اُن پر یہ الزام لگا دیا گیا ہے کہ جو بات خالق و مالکِ حقیقی اپنے محبوب رسُول ﷺ تک اپنی طرف سے پہنچانا چاہتا تھا' اس کا ایک حصہ پہلے تین بار حضرت جبریلؑ نے اپنی طرف سے ادا کیا اور اس کا جواب سُنا۔

اللہ کریم جلّ و عُلا نے قرآنِ کریم میں بار بار حضورِ اکرم ﷺ کو مخاطب فرما کر باتیں کی ہیں۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ وغیرہ وغیرہ۔ اب ان کا معنیٰ تو مثلاً یہ ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ اگر اس حکم کی تعمیل میں حضورِ اکرم ﷺ لوگوں تک صرف هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے الفاظ پہنچا دیتے اور "قُلْ" کا لفظ نہ پہنچاتے تو بات تو پہنچ جاتی' اللہ کا کلام مِن و عَن نہ پہنچتا۔

قرآنِ مجید کے نزول کا اصول یہ ہے کہ اس میں جو لفظ جیسے ہے' ویسے ہی رہے گا' اسی طرح لوگوں کو پہنچے گا' قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا۔ جب وہ الفاظ جو

خاطبتاً" صرف حضورِ اکرم ﷺ سے متعلّق ہیں' وہ بھی قرآنِ مجید سے حذف نہیں کیے گئے' وہ بھی حضور ﷺ نے اسی طرح عامۃ النّاس تک پہنچائے ہیں' اللہ نے انھیں اسی طرح قیامت تک محفوظ رکھنے کا ذمّہ لے رکھا ہے' تو جو لفظ (اقرا) حضرت جبریلؑ سے متعلق ہی نہیں تھا' اسے وہ اپنی طرف سے کیسے ادا کر سکتے تھے۔ اور روایت کے مطابق ہر بار اس کا جواب بھی سُننا' پھر حضور ﷺ سے معانقہ کرنا' پھر اپنی طرف سے "اقرا" کہنا' پھر جواب سننا' پھر زور سے سرکار ﷺ کو بھینچنا کس اختیار کی رُو سے ہو سکتا تھا اور جبریلؑ جیسا فرستادہ' پیغام پہنچانے میں نامور فرشتہ' یہ جسارت کیسے کر سکتا تھا۔

حدیثِ عائشہؓ کی رُو سے حضرت جبریلؑ آئے تو انھوں نے کوئی تعارُف نہیں کروایا۔ وہ کون ہیں' کیا لائے ہیں' کہاں سے لائے ہیں' کیوں لائے ہیں' --- کچھ بھی نہیں۔ اور' بعد میں سرکار ﷺ کا کانپنا' ڈرنا' کمبل اوڑھنے کو کہنا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن سے یہی ثابت کرنا مطلوب ہے کہ جبریلؑ نے واقعی تعارُف نہیں کروایا تھا' بس تین بار "اقرا" کہا' تین مرتبہ معانقہ کیا' تین یا پانچ آیتیں پڑھائیں اور چلے گئے۔ یہ سمجھ ہی نہیں آنے دیا کہ یہ کیا ہُوا ہے' آیتیں کیا ہیں' کیا یہ اللہ کا کلام ہے' کیا فرشتہ اللہ کا بھیجا ہُوا تھا۔ وہ تو واقعہ سن کر حضورِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیّبہ کی عدیم المثال اور حُسنِ اخلاق کی بنا پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کچھ تسلّی دی۔ پھر ورقہ بن نوفل نے بتایا کہ آنے والا وہی ناموس تھا جو حضرت موسیٰ ؑ پر اترتا تھا' یعنی جبریلؑ تھا اور اللہ کا کلام لایا تھا۔

لیکن چونکہ روایت کا یہ حصّہ کسی طرح ہضم نہیں ہوتا' اس لیے بہت سے اہم سیرت نگاروں نے اس روایت سے پہلے ایک روایت درج کی ہے کہ پہلے ایک بار جبریلؑ آئے تھے اور انھوں نے اپنا تعارف بھی کروا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ بعض سیرت نگاروں نے حضور ﷺ کی غارِ حرا سے واپسی کے راستے میں دوبارہ جبریلؑ کے ملنے اور تعارف کروا دینے والی روایت شامل کی ہے' تاکہ یہ خلا پُر کیا جا سکے۔ حالانکہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب روایت درست ہے تو دوسری روایت درست نہیں۔ وہ درست ہے تو حدیثِ عائشہؓ میں کانپنے ڈرنے کا جواز نہیں بنتا اور

یہ بات بے تکی معلوم ہوتی ہے کہ جب تک ورقہ بن نوفل نے نہیں بتایا' حضور ﷺ کو پتا نہیں چلا کہ ان کے پاس کون آیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب زیرِ نظر روایت یہ ہے کہ جبریل نے "اقرا" کہا' حضور ﷺ نے فرمایا' میں پڑھا ہُوا نہیں ہوں۔ جبریلؑ نے تین مرتبہ بھینچا تو حضور ﷺ پڑھنے لگ پڑے۔ اگر کوئی شخص پڑھا لکھا نہ بھی ہو تو بھی کوئی شخص اسے زبانی کچھ پڑھانا چاہے تو وہ پڑھ سکتا ہے۔ پڑھانے والا فقرہ کہتا جاتا ہے' پڑھنے والا اسی طرح دُہرا سکتا ہے۔ اگر یہی صورتِ حال تھی تو "مَا اَنَا بِقَارِئٍ" کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اور زیرِ نظر حدیث میں ایسی کوئی بات ہے نہیں کہ سامنے کچھ لکھا ہوا تھا' جسے پڑھانا مطلوب تھا۔ اب راس روایت کے اس خلا کو پُر کرنے کے لیے اور حدیثیں سامنے لائی گئیں' کسی میں کہا گیا کہ تختی پر لکھا ہوا تھا' کسی میں کہا گیا' ریشمی کپڑے پر یہ آیتیں مرقوم تھیں۔ کہیں کالی چادر کو استعمال میں لایا گیا اور کسی نے ایک ورق پر یہ آیات لکھی ہوئی ظاہر کیں۔

اگر لکھا ہوا پڑھنے کی بات نہ ہو تو "مَا اَنَا بِقَارِئٍ" کہنے کا جواز نہیں بنتا۔ زبانی تو آیات دہرائی جا سکتی تھیں۔ لیکن جب سیرت نگار کسی اور روایت کے "تعاون" سے لکھی ہوئی آیات سامنے لے آئے ہیں تو ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جبریلؑ کے تین بار کے معانقے کے نتیجے میں حضور ﷺ کو پڑھنا آ گیا اور حضور ﷺ نے تین یا پانچ آیات پڑھ لیں تو کیا یہ صلاحیت وقتی تھی اور صرف انھی چند آیات کے لیے حضور ﷺ کو پڑھنا آیا تھا۔ بعد میں پھر حضور ﷺ لکھنے پڑھنے سے اسی طرح محروم رہے جیسے پہلے تھے۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ پر اس پہلی وحی کے بعد جتنی بار وحی آئی' وہ کسی ورق' تختی یا کپڑے پر لکھی ہوئی کیوں نہ آئی۔ ہمیشہ حضرت جبریلؑ زبانی ہی اللہ کا کلام پہنچاتے رہے۔

معاملہ صرف یہ ہے کہ "اقرا" اور "مَا اَنَا بِقَارِئٍ" کے مکالمے کو ثابت کرنے کے لیے تختی' کپڑا' چادر یا ورق پیدا کیا گیا لیکن بات بنی نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ سورۂ علق کی پہلی آیت کا پہلا لفظ "اقرا" پڑھنے سے متعلق

ہے ہی نہیں۔ حضرت جبریلؑ اللہ کے کلام کے کسی حصے کو اپنے کلام کے طور پر حضورِ پُرنُور ﷺ تک نہیں پہنچا سکتے تھے کہ پڑھنے نہ پڑھنے کا مسئلہ پیدا ہو۔ یہ آیات پہلی نازل ہونے والی آیات ہوں یا نہ ہوں' ان میں "اقرا" کا وہی مطلب زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے جو امین احسن اصلاحی نے بیان کیا ہے۔

تدبّرِ قرآن میں ہے' لفظ "اقرا" (پڑھو) صرف اسی مفہوم میں نہیں آتا جس مفہوم میں ایک استاد اپنے شاگرد سے کہتا ہے' پڑھو۔ بلکہ یہ اقرا علی الناس یا اتل علی الناس یعنی دوسروں کو بطریق دعوت سنانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ یہ لفظ اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ان کُفّار کو مخاطب کر کے' جو قرآن کے سنانے میں مزاحم ہوتے تھے' فرمایا ہے و اذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (الاعراف۔ ۲۰۴:۷) "جب قرآن سنایا جائے تو اس کو توجُّہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: و اذا قرات القرآن..... (۴۵:۱۷) "اور جب تم لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناتے ہو تو ہم تمھارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' ایک مخفی پردہ کھڑا کر دیتے ہیں"۔

قرینہ دلیل ہے کہ یہاں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ' یعنی اس قرآن کو اپنے اس خداوند کے نام سے پڑھ کر سناؤ جو سارے جہان کا خالق ہے۔ یہ ایک نہایت اہم تنبیہ ہے۔ فرمایا کہ اس کو اپنے خداوند کے فرمانِ واجب الاذعان کی حیثیت سے پیش کرو' تاکہ لوگ یہ جانیں کہ جو کلام ان کو سنایا جا رہا ہے' وہ براہِ راست ربِّ دو جہاں کا کلام ہے... (۱۰۶)

ایک معاملہ تو یہ ہے کہ "اقرا باسم ربک الذی خلق" "اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوا۔ اس میں سے "اقرا" کو (زیرِ نظر روایت کی رُو سے) جبریلؑ نے اپنی طرف سے استعمال کر لیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اردو میں سیرت کی کتابیں لکھنے والوں یا ترجمہ کرنے والوں نے "اقرا" کا ترجمہ کیا کیا ہے۔ بعض نے "پڑھیے" (۱۰۷)

بعض نے "اسے پڑھیے" (۱۰۸) بعض نے "پڑھو" (۱۰۹) اور بعض نے "پڑھ" (۱۱۰) لکھا ہے۔

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ یہاں بھی بعض لوگوں نے حضور فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کے علوِ مرتبت کا خیال رکھتے ہوئے احترام کے الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن کئی حضرات نے نہایت بے احتیاطی سے "پڑھ" ترجمہ کیا ہے۔ البتہ **احسان الحق** سلیمانی نے ان آیات کے بارے میں لکھا ہے کہ "آیات پڑھنے کے لیے پیش کیں"۔ (۱۱۱)

اصل میں زیرِ نظر حدیث کا مجموعی تأثر یہی ہے کہ فرشتہ بہت بڑی چیز ہے اور اس کے مقابلے میں حضورِ اکرم ﷺ کا کوئی مقام نہیں۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کے مقام سے کمتر کئی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے سیرت نگار اسی مجموعی تأثر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی کوئی نہ کوئی ایسی بات لکھ جاتے ہیں جس سے سرکار ﷺ کی عظمت کا احساس مجروح ہوتا ہے اور کئی تو ایسے ہیں کہ اس روایت کو بنیاد بنا کر قلم کو بگٹٹ چھوڑ دیتے ہیں کہ حضور محبوبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء کی شان میں تنقیص کی ہر خواہش پوری کر لی جائے مثلاً **ابو الاعلیٰ مودودی** جہاں حدیثِ عائشہؓ کے قائل ہیں اور اسی کو بنیاد بنا کر حضورِ اکرم ﷺ کو ایک ایسا عام آدمی ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جسے زندگی کے چالیس برسوں میں کہیں یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ نبی ہے یا ہو سکتا ہے مگر مودودی یہ موقع مل جانے کی خوشی میں بھول گئے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب اس حدیث میں تو فرشتے نے نہ اپنا تعارُف کرایا ہے، نہ حضور ﷺ کو یہ بتایا ہے کہ وہ نبی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ "یہ قصہ خود اپنے منہ سے بول رہا ہے کہ فرشتے کی آمد سے ایک لمحہ پہلے تک بھی رسولُ اللہ ﷺ اس بات سے خالی الذہن تھے کہ آپ ﷺ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ اس چیز کا طالب یا متوقع ہونا تو درکنار، آپ ﷺ کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ ایسا کوئی معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ پیش آئے گا۔ وحی کا نزول اور فرشتے کا اس طرح سامنے آنا آپ ﷺ کے لیے

اچانک ایک حادثہ تھا جس کا پہلا تأثر آپ ﷺ کے اوپر وہی ہوا جو ایک بے خبر انسان پر اتنے بڑے ایک حادثہ کے پیش آنے سے فطری طور پر ہو سکتا ہے"۔ (۱۱۲)

مودودی صاحب کو اس روایت سے اتنا سہارا ملا ہے کہ انھوں نے حضورِ اکرم ﷺ کے بارے میں اپنی محولہ بالا تحریر میں نہایت نامعقول انداز اختیار کیا ہے حالانکہ اُن سے یہ بات چُھپی ہُوئی نہیں ہے کہ ایسی احادیث بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کئی راہبوں نے، دوسرے مذاہب کی کتابوں کے بہت سے عالموں نے بار بار یہ اعلان کیا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور یہ باتیں حضورِ اکرم ﷺ کے بچپن ہی سے کی جانے لگی تھیں اور اس سے سرکار ﷺ خود بھی واقف تھے۔

یہ بھی نہیں کہ مودودی صاحب ان احادیث سے واقف نہیں، خود انھوں نے ایسی حدیثیں نقل بھی کی ہیں مگر حدیثِ عائشہؓ کا سہارا لے کر ان ساری روایات کی تغلیط کی ہے۔

سیرتِ سرورِ عالم ﷺ جلد دُوُم ہی میں "سفرِ شام اور بحیرہ راہب کا واقعہ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ "ترمذی، بیہقی فی الدلائل، ابنِ عساکر، حاکم، ابو نعیم، ابو بکر الخرائطی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو مُوسیٰ اشعری ؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ بحیرٰی نے حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "یہ سیّد المرسلین ہیں، یہ سیّد المرسلین ہیں۔ ان کو اللہ عنقریب رحمت للعالمین بنا کر مبعوث فرمانے والا ہے"۔ اس سے پوچھا گیا (اور ترمذی وغیرہ محدثین کی روایت میں ہے کہ قریش کے شیوخ نے اس سے پوچھا) کہ تمہیں اس کا علم کیسے ہوا؟ اس نے کہا، جب تم سامنے سے آ رہے تھے تو ہر شجرو حجر سجدہ ریز تھا۔ اور یہ ایک نبی کے سوا کسی کے لیے سجدہ ریز نہیں ہوتے۔ اور میں ان کو اس مُہرِ نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو ان کی پُشت پر دونوں شانوں کے درمیان ہے اور ہم ان کا ذکر اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔۔۔۔ ابن ابی شیبہ نے ابو موسیٰ اشعری ؓ سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں یہ ذکر بھی ہے کہ جب حضورؐ صومعے کی طرف آ رہے تھے تو ایک بادل آپ ﷺ پر سایہ کر

رہا تھا"۔ (۱۱۳)

اس کے بعد مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ اُس وقت حضور ﷺ کی عمر ۱۲ برس تھی۔ پھر لکھتے ہیں۔ "پھر اس واقعہ کے ۱۳ برس بعد ۲۵ سال کی عمر میں جب نبی ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت لے کر شام گئے تو ابو سعید نیشاپوری کی کتاب **شرف المصطفیٰ ﷺ**" کے حوالہ سے' حافظ ابنِ حجر اصابہ میں نقل کرتے ہیں کہ بُحیرٰی سے آپ ﷺ کی دوبارہ ملاقات ہوئی اور اس موقع پر اس نے کہا۔ "اشهد ان لا اله الا الله و اشهد انک رسول الله النبی الامی الذی بشر به عیسٰی ابن مریم" ۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ نبیٔ اُمّی جن کی بشارت عیسیٰ بن مریمؑ نے دی تھی"۔ اسی بنا پر ابن مندہ اور ابو نعیم نے بُحیرٰی کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے اور حافظ ذہبیؒ نے **تجرید الصحابہ** میں لکھا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لایا تھا"۔ (۱۱۴)

پھر مودودی صاحب نے نسطورا راہب کے حوالے سے ایسی ہی روایتیں نقل کی ہیں۔ میسرو کے یہ دیکھنے کا ذکر کیا ہے کہ سفرِ شام میں دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کیے رہتے تھے ۔ ۔ ۔ وغیرہ۔ لیکن ان کے بعد "میں نہ مانوں" کی رٹ لگائی ہے اور ان سب روایات کو کئی وجوہ سے ناقابلِ قبول کہا ہے اور غارِ حرا میں نزولِ وحی کے محولہ بالا واقعے کو بھی ان روایات کی تغلیط کے طور پر ذکر کیا ہے۔

معنٰی یہ ہُوا کہ مودودی صاحب کے نزدیک وہ تمام روایتیں ناقابلِ قبول ہیں جو حضور ﷺ کی شان و شوکت کے اظہار کے طور پر ملتی ہیں اور وہ ہر اس روایت پر ایمان لانے اور اس کے حوالے سے حضور ﷺ کے متعلق نامناسب الفاظ استعمال کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں جس میں حضور ﷺ کی تنقیص کی کوئی صُورت نظر آتی ہو۔

"حضورِ پاک کے سپاہی" **امیر افضل خان** ابُو الاعلیٰ مودودی کی **تفہیم القرآن** کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "ساری تفہیم میں مودودی صاحب آیاتِ مبارکہ کے مفہوم سے ہٹ کر کوئی ایسا فقرہ لکھ دیتے ہیں کہ حضورِ پاک ﷺ کو جو بلندیاں عطا ہوئی

ہیں' اُن میں کچھ کمی کر دی جائے"۔ امیر افضل خان نے پوری کتاب اسی موضوع پر لکھی ہے اور بہت سی مثالیں دی ہیں جن میں سے چند کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ آیۂ میثاق میں ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ میں حضورِ اکرم ﷺ کے آنے کا ذکر ہے اور سب لوگ یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ "جب آوے تمھارے پاس رسول" لیکن مودودی صاحب نے لکھا ہے "کل اگر کوئی دوسرا رسول تمھارے پاس آئے" (یعنی اس تحریفِ معنوی کے ذریعے سیّدُ الرُّسُل ﷺ کے بجائے کسی بھی رسول کی بات کی گئی)۔ سورہ النسا (آیت ۴۱) کے ترجمے "اور اس وقت کیا ہو گا جب ہم ہر اُمّت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے" میں "سب" کے بجائے مودودی صاحب نے "ان لوگوں" کر دیا (اس طرح حضور ﷺ کی گواہی کو اپنے دور یا اپنی اُمّت تک محدود کرنے کی کوشش کی)۔ سورہ القمر کے پیش لفظ میں بھی اور وضاحتوں میں بھی انھوں نے حضورِ پاک ﷺ کی شان کم کرنے کے لیے چاند کے ٹکڑے ہونے کو معجزے کے بجائے ایک حادثاتی واقعہ بنا دیا۔

مودودی صاحب کے لحاظ سے حضور ﷺ کی شادیاں سیاسی تھیں مثلاً لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر کے آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اپنے تعلُّقات کو زیادہ گہرا اور مستحکم کر لیا۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی سے بنو مخزوم یعنی ابو جہل کے خاندان کے ساتھ تعلقات بہتر کرنا مقصود تھا۔ یا جناب صفیہؓ رضی اللہ عنہا اور جناب ریحانہ رضی اللہ عنہا کے حضورِ پاک ﷺ کے ساتھ نکاح کی وجہ سے یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ یا اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد ابُوسُفیان کبھی حضورِ پاک ﷺ کے مقابلے میں نہ آیا۔ **امیر افضل خان** نے اِس حوالے سے بھی ابو الاعلیٰ مودودی کی تغلیط کی ہے۔ حضور پاک ﷺ کے یہ سپاہی لکھتے ہیں کہ "حضورِ پاک ﷺ کے ساتھ عاجزی سے محبّت کرنے والی تو دور کی بات ہے' مودودی نے جان بوجھ کر حضورِ پاک ﷺ کی شان کو کم کیا ہے اور بعض جگہ بے ادبی بھی کی ہے"۔ (البیان فی تفہیم القرآن۔ از حضورِ پاک ﷺ کا سپاہی امیر افضل خان۔ راولپنڈی۔ جون ۱۹۹۷۔ ص ۳۵' ۴۷' ۵۶'

١٠١- ١٠٣، ١٢٧، ١٣٥)

بحیرا راہب والی روایت کو شبلی نعمانی بھی نہیں مانتے اور باب "ظہورِ قدسی" میں "شام کا سفر" کے عنوان سے اس روایت کو ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں (۱۱۵) مسئلہ ان کا بھی یہی ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی عظمتِ شان کے بارے میں نقل کی جانے والی روایتوں کو جھٹلایا جانا چاہیے لیکن شبلی نے مودودی کی طرح حضور ﷺ کے بارے میں زیادہ توہین آمیز الفاظ استعمال نہیں کیے۔ نیز جب وحی کے نزول میں تعطّل کے زمانے کی بات کرتے ہوئے حافظ ابنِ حجر کے خلاف لکھا ہے تو ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ جب ابنِ حجر بحیرا راہب والی حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تو حضور ﷺ کی خودکشی کرنے کی کوشش والی روایت کو درست کیونکر کہہ سکتے ہیں (باب "آفتابِ رسالت ﷺ کا طلوع")۔ سیرۃ ابنِ اسحاق میں بحیرا راہب کے واقعے کو تفصیلات کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن اس کتاب کے ایک مترجم رفیع اللہ شہاب نے شبلی کی مخالفانہ رائے درج کر دی ہے۔

مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ

(حواشی صفحہ ۱۰۹)

حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب زیرِ نظر روایت میں ہے کہ فرشتے نے تین بار حضورِ اکرم کو "اقرا" کہا۔ ہر بار سرکارِ ابد قرار ﷺ نے جواب میں "ما انا بقاریٔ" فرمایا۔ اردو میں سیرت کے موضوع پر لکھنے والوں نے یا کتبِ سیرت کا اردو ترجمہ کرنے والوں نے اس عبارت کا جو ترجمہ کیا' وہ یہ ہے۔ مَیں پڑھا ہُوا نہیں ہوں (۱۱۵- ب) میں تو پڑھا ہُوا نہیں ہوں (۱۱۶) کیسے پڑھوں جبکہ مَیں پڑھا ہُوا نہیں ہوں (۱۱۷) میں پڑھنا نہیں جانتا (۱۱۸) میں نہیں پڑھ سکتا ہوں (۱۱۹) مجھے پڑھنا نہیں آتا (۱۲۰) میں پڑھنے والا نہیں ہوں (۱۲۱) میں پڑھنا تو نہیں جانتا (۱۲۲) میں پڑھ نہیں سکتا (۱۲۳) میں اُمّی ہوں (۱۲۴) میں قاری نہیں ہوں (۱۲۵) میں نہیں جانتا' کیا پڑھوں (۱۲۶) میں پڑھا ہوا نہیں' کیونکر پڑھوں (۱۲۷) میں پڑھا لکھا نہیں ہوں (۱۲۸)

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جب زیرِ نظر روایت میں کوئی چیز سامنے نہیں تھی' حضورِ ﷺ کے اس جواب کا کوئی محل ہی نہیں تھا۔ مگر جب ذکر کرنا ہی تھا تو سیرت نگار حضرات نے اپنے ذوق کے مطابق ما انا بقاریٔ کا معنی کیا۔ جہاں معانی کے بیان میں احتیاط کا عمل دخل نظر آتا ہے' وہاں الفاظ نرم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دوسری صورت میں کچھ بڑھا بھی دیا گیا ہے مثلاً مُلّا معین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جبریلؑ کو دیکھا تو اس کے جسم کی بڑائی سے ڈرے اور فرمایا: آپ کون ہیں؟ میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت چیز دیکھی ہے' نہ بڑی۔ جبرائیلؑ نے جواب دیا: میں روح الامین ہوں جو تمام انبیا و مرسلینؑ پر اُترا ہوں۔ اے محمد ﷺ پڑھیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیسے پڑھوں جبکہ میں پڑھا ہُوا نہیں ہوں۔ جبرائیلؑ نے اپنے پر کے نیچے سے ایک مکتوب نکالا جو بہشت کے زمرد سے بنایا گیا تھا اور جسے جواہرات و یاقوت سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا: اے محمد ﷺ پڑھیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں پڑھا ہُوا نہیں ہوں۔ اور پھر اس خط میں تو مجھے کچھ لکھا ہوا دکھائی نہیں دیتا"۔ (۱۲۹)

کاشفی نے الفاظ نرم کرنے کی کوشش بھی کی ہے لیکن جو اضافہ کیا ہے' اس کا حال بھی بس ایسا ہی ہے۔ دراصل زیرِ نظر روایت کو درست ثابت کرنے کی کوشش میں کئی سیرت نگاروں نے اس طرح کے اضافے بھی وقت کی ضرورت سمجھے ہیں' لیکن یہ خیال نہیں کیا کہ اِس قسم کے اضافوں کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب روایت کو مِن و عَن قبول کرنا اُن کے لیے بھی ممکن نہ تھا۔

بعض سیرت نگار حضرات نے "مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ" کی تاویلیں کی ہیں' معنوی یا تشریحی۔ ان تاویلوں سے بھی یہ بات کُھل کر سامنے آتی ہے کہ اس روایت میں جو خلا محسوس ہوتے ہیں' انھیں ان کا احساس ہے۔ یا تو انھیں کسی طرح پورا کرنا چاہتے ہیں' یا اپنے آپ کو تسلی دینے میں مصروف ہیں کہ یہ روایت غلط نہیں' بس بات میں کچھ ابہام پیدا ہوا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ فرشتہ وحی لے کر حاضر ہوا تو اس نے کہا' اے محمد ﷺ آپ کو مُژدہ ہو کہ میں جبریل ہوں اور مجھے حق تعالیٰ نے آپ کے پاس

بھیجا ہے۔ آپ اُمّت کی جانب خدا کے رسول ہیں۔ آپ جن وانس کو کلمۂ طیّبہ لا الٰہ اِلا اللہ کی دعوت دیجیے۔ اور کہا' اے محمد ﷺ پڑھیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا' میں پڑھنے والا نہیں ہوں' میں پڑھنا نہیں جانتا۔ مطلب یہ کہ میں اُمّی ہوں' کسی سے میں نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا ہے"۔ (۱۳۰) پیر محمد کرم شاہ کہتے ہیں۔ "اِقْرَأْ صیغۂ امر ہے جو وجوب اور حکم کے لیے آتا ہے۔ لیکن یہاں یہ تلقین کے لیے ہے' تکلیف کے لیے نہیں۔ بارگاہِ نبوت کے ادب کا تقاضا بھی یہی ہے..... جب تک جبرائیلِ امینؑ نے صرف "اقرأ" کہا تو جواب ملا "ما انا بقاریٔ" (میں پڑھنے والا نہیں ہوں) جب چوتھی بار انھوں نے اللہ تعالیٰ کا نام ساتھ ملا کر کہا..... تو حضور ﷺ نے پڑھنے سے انکار نہیں کیا"۔ (۱۳۱)

محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں۔ "ما انا بقاریٔ" کے بظاہر معنیٰ یہ ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں' اُمّی ہوں لیکن اس معنیٰ میں اشکال یہ ہے کہ قراءت یعنی زبان سے پڑھنا اُمّیت کے منافی نہیں۔ اُمّی شخص بھی کسی کے تعلیم و تلقین سے قراءت اور تلفّظ کر سکتا ہے جبکہ فصاحت و بلاغت اس کی غلام ہو۔ اُمّیت کتابت کے منافی ہے۔ اُمّی شخص لکھی ہوئی تحریر کو نہیں پڑھ سکتا... پس اگر جبریلِ امینؑ کوئی لکھی ہوئی تحریر لے کر آئے تھے کہ جس میں یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں اور اس کی نسبت یہ کہتے تھے کہ اقرا یعنی اس تحریر کو پڑھو تو پھر اس کے جواب میں ما انا بقاریٔ کہنا ظاہر اور مناسب بات ہے"۔ (۱۳۲)

محمد اشرف سیالوی نے الوفا کے حاشیے میں جو تاویل کی ہے' وہ دیکھیے۔ "ہر اُمّی کو پڑھایا جائے تو وہ پڑھ ہی لیتا ہے۔ تو پھر سیّدِ عالم ﷺ کے اس جواب کا باعث و موجب کیا ہے۔ اس کے لیے حضراتِ محدّثین نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں۔ اول ما انا بقاریٔ میں نفی نہیں ہے' بلکہ استفہام ہے۔ یعنی میں کیا پڑھوں۔ اور جب تیسری مرتبہ حضرت جبرائیلِ امینؑ نے آیات تلاوت کیں تو سرورِ عالم ﷺ نے بھی ان کو تلاوت فرمالیا' اور اس کی تائید "ما اقرا" کی روایت سے ہوئی ہے۔ دوم' جبرائیل علیہ السلام نے جنّتی ریشم کے قطعہ پر لکھی ہوئی یہ آیات سید السادات علیہ الصلوٰۃ کی خدمت میں پیش کر

کے پڑھنے کے متعلق عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں رسم الخط سے واقفیت نہیں رکھتا' تاکہ ان کو دیکھ کر پڑھ دوں اور عَلَّمَ بِالْقَلَمْ کے کلماتِ مبارکہ میں اسی امر کی طرف اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ سوئم' جبرائیلِ امینؑ کا اچانک تشریف لانا اور پڑھنے کے متعلق عرض کرنا بغیر اس کے کہ قبل ازیں بے تکلفی پیدا ہو چکی ہوتی اور الفت و موانست موجود ہوتی' موجبِ اضطرابِ خاطرِ اقدس ہوا اور پڑھنے سے گریز فرمایا۔ جب بار بار انھوں نے گلے سے لگایا اور مخلص دوستوں کا طور و طریقہ اپنایا تو اضطراب سکون سے منقلب ہو گیا اور بے گانگی یگانگت میں تبدیل ہو گئی۔ لٰہذا اب کے پڑھنے کے متعلق عرض کیا تو پڑھنا شروع فرمایا"۔ (۱۳۳)

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ زیرِ نظر روایت کو مان کر لوگ کتنی مشکل میں گرفتار ہو گئے ہیں اور مخمصوں سے نکلنے کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کر رہے ہیں۔

فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ

(حواشی صفحہ ۱۰۹-۱۱۰ پر)

روایت کے مطابق جب حضور سید الانبیا علیہ التحیۃ والثنا نے "مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ" کہا تو انھیں "اس (فرشتے) نے پکڑا اور زور سے بھینچا"۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی فرشتے نے یہی کیا۔ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ کے بعد کے الفاظ ہیں حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُھْد (حتیٰ کہ میری طاقت جواب دینے لگی۔ یا ابراہیم میر سیالکوٹی کے ترجمے کے مطابق "اس فرشتے نے مجھے زور سے دبایا۔ حتّٰی کہ (دبانے میں اس کا' یا مدافعت میں میرا) پورا زور لگ گیا"۔ (۱۳۴)

اب دیکھتے ہیں کہ دوسرے سیرت نگاروں نے ان الفاظ کا کیا ترجمہ کیا ہے (اور ظاہر ہے کہ ترجمے کے انداز سے اُمّتی سیرت نگاروں کا اپنے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق رویّہ بھی ظاہر ہو گا)

فرشتے نے دبوچا۔ جسم کی طاقت سلب ہو گئی۔ طبری

یوں بھینچا کہ میں نے خیال کیا کہ اب موت ہے۔ ابنِ ہشام

مجھ کو پکڑ لیا اور اس قدر بھینچا کہ میں نے انتہائی تکلیف محسوس کی۔ عبداللہ بن محمد

زور سے معانقہ کیا۔ محمد حسین ہیکل

دبایا۔ مشقّت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ محمد ادریس کاندھلوی

نڈھال ہو گیا۔ بے بس ہو گیا۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

بھینچا۔ قریب تھا کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو جاتے۔ مُلّا معین واعظ کاشفی

فشار دیا۔ سخت جھنجوڑا۔ جعفر سبحانی

پوری قوت سے دبایا۔ پروفیسر محمد طاہر القادری

بھینچا۔ مجھے سخت تکلیف پہنچی۔ شیخ محمد رضا (مصری)

سینے سے چمٹا لیا۔ عبدالمصطفیٰ اعظمی

بھینچا کہ قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ ابو الاعلیٰ مودودی

اتنا بھینچا کہ آپ ﷺ تھک گئے۔ عبدالحیٔ

بھینچا کہ مجھے اس سے تکلیف محسوس ہونے لگے۔ قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ فضل الرحمان

اپنی کلائیوں سے لے کر تین دفعہ زور سے بھینچا۔ برکت علی

دبوچا۔ یہاں تک کہ مجھ کو سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ قسطلانی

مجھے پکڑ لیا اور زور سے بھینچا۔ ایسا معلوم ہوا کہ جان نکل گئی۔ مصطفیٰ سباعی

گلے لگا کر کہا۔ ولی رازی

بھینچا۔ وہ مجھ سے غایت وسع و طاقت کو پہنچا۔ نور بخش توکلی

زور سے بھینچا جس سے آپ ﷺ کو کچھ تکلیف ہوئی۔ ابنِ حزم ظاہری

چمٹا لیا اور زور سے معانقہ کیا۔ ابو الجلال ندوی

اچھی طرح دبایا جتنا کہ آپ ﷺ برداشت کر سکتے تھے۔ عبدالرحمان ابنِ جوزی

بھینچا۔ تکلیف محسوس ہوئی۔ پیر محمد کرم شاہ

زور سے بھینچ لیا' یہاں تک کہ میں نے اس سے چھوٹنے کی کوشش کی۔ خالد محمد خالد

سینے سے لگایا۔ خوب زور سے دبایا۔ عبداللہ خاں

پکڑ کر دبایا۔ میں نے تکلیف محسوس کی۔ ابو الحسن علی ندوی

زور سے بھینچا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی قوتِ برداشت جواب دینے لگی' پسلیاں درد کرنے لگیں۔ اثر فاضلی

خوب بھینچ کر معانقہ کیا۔ جعفر شاہ پھلواری

اپنی آغوش میں لے کر خوب زور سے بھینچا۔ محمد میاں صدیقی

سینے سے لگا کر دبایا۔ کرنل محمد ایوب

اس طرح پکڑ کر بھینچا کہ انتہا درجے کی شدّت اور مشقّت آپ ﷺ نے محسوس فرمائی۔ عبدالصمد رحمانی

خوب بھینچ کر معانقہ کیا۔ یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی۔ مصباح الدین شکیل

اس زور سے دبایا کہ میری قوّت نچوڑ دی۔ صفی الرحمان مبارکپوری

اس زور سے بھینچا کہ میری طاقت جواب دے گئی۔ کرنل وصی الدین

فرشتہ بغل گیر ہُوا۔ قاضی نواب علی

اس نے مجھ کو پکڑ کر اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا۔ سید سلیمان ندوی

عبدالمقتدر فاضل فتحپوری نے اس معانقے کی وجہ یہ بیان کی۔ "تین بار حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو گلے لگایا اور زور سے دبوچا' اور اس طرح نبوت اور معارفِ رسالت کے اسرار و حکم سے آنحضرت ﷺ کے سینہ کو معمور کرنے کی ابتدا ہو گئی"۔ (۱۳۶) مولانا محمد یُوسُف لدھیانوی لکھتے ہیں۔ "مقصد اس دبانے اور بار بار کے دبانے سے یہ تھا کہ اس روحانی "تصرّف" کے ذریعہ آپ ﷺ کے قلبِ اطہر سے صفاتِ بشریہ کا ایک ایک دھبّا صاف کر دیا جائے' نقائصِ بشریت کے بجائے صفاتِ ملکیہ سے اسے معمور و منور کیا جائے اور ایمان و انوارِ نبوت کی تجلیات سے اسے رشکِ طور بنا دیا جائے"۔ (۱۳۷)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی حضرت جبرائیلؑ کے دبوچنے اور قوت و شدت کے

ساتھ دبانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "کاملین کی تاثیر اور توجہ چار قسم کی ہوتی ہے۔ انعکاسی، اصلاحی، القائی اور اتحادی۔ اتحادی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شیخ اور مُرشد کامل اپنی روح کو مرشد کی روح کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ اور جملہ کمالات جو اپنی روح میں موجود ہیں، ان کو روح مرشد و مرید میں بھی پیدا کر دیتا ہے" (۱۳۷-الف) **الوفا باحوالِ المصطفیٰ** ﷺ کے حاشیے میں ہے۔ "اس معانقے میں جبریلِ امین علیہ السّلام نے اپنی رُوحِ لطیف کو آنحضرت ﷺ کے بدنِ اطہر کے مسامات میں سے اندر داخل فرما کر آپ ﷺ کی رُوحِ اقدس کے ساتھ متحد کر دیا اور باہم شیر و شکر کے مانند ملا دیا اور اس وقت بشریت و ملکیت کے درمیان ایک ایسی عجیب حالت ظاہر و ہویدا ہوئی جو بیان سے باہر ہے"۔ (۱۳۷-ب)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضورِ اکرم شافعِ یومُ النشور، محبوبِ ربّ العالمین، سیّد المرسلین، خاتم الانبیا ﷺ کے قلبِ اطہر میں لوگوں کو دھبّے دکھائی دیتے ہیں، نقائص نظر آتے ہیں، اور اس مقصد کے لیے کبھی تو سرکارِ والا تبار ﷺ کا آپریشن کرایا جاتا ہے، کہیں جبرئیلؑ کی کلائیوں میں دبوچنے، بھینچنے کی حالت ظاہر کی جاتی ہے۔ اور اس سے حضور ﷺ کو جبریلؑ کا مُرید ظاہر کیا جاتا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں چار بار تو شقِ صدر ہوا (۱۳۸) **شاہ عبدالعزیز دہلوی** لکھتے ہیں کہ "پہلی بار تو شقِ صدر اس لیے تھا کہ آپ (ﷺ) کے دل سے وہ لہو و لعب جو لڑکوں کے دل میں ہوتا ہے، نکال ڈالیں۔ اور دوسری بار اس لیے کہ جوانی میں آپ ﷺ کے دل میں رغبت ایسے کاموں کی جو مقتضائے جوانی خلافِ مرضئِ الٰہی سرزد ہوتے ہیں، نہ رہے۔ اور تیسری بار اس لیے کہ آپ ﷺ کے دل کو قوتِ تحمّلِ وحی کی ہو اور چوتھی بار اس لیے کہ آپ ﷺ کے دل کو طاقت مشاہدۂ عالمِ ملکوت اور لاہوت کی ہو"۔ (۱۳۹) **شیخ محمد رضا مصری** نے کہا کہ "یہ عمل (شقِ صدر) ممکنہ آلائشات سے آپ ﷺ کی تطہیر اور ممکنہ شیطانی اثرات کو زائل کرنے کے لیے تھا"۔ (۱۴۰)

چار پانچ بار شقِ صدر کرانے کے بعد بھی یار لوگوں کی تسلّی نہیں ہوئی اور نزولِ

وحی کے وقت جبریلؑ نے "دبوچنے" "جھنجھوڑنے" کے ذریعے بھی نعوذُ باللہ حضورِ اکرم ﷺ کی "آلودگیوں" کو صاف کرانے کی کوشش جاری رکھی گئی ہے۔ **سیّد سلیمان ندوی** لکھتے ہیں۔ "یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینۂ مبارک کا آلودگیوں سے پاک و صاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے اور وہ ایک دفعہ پاک و منور ہو کر پھر دوبارہ پاکی و طہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا"۔ (۱۴۱)

ہمارے خیال میں یہ بات سرے سے غلط ہے کہ حضورِ پاک ﷺ کا سینۂ مطہر کسی قسم کی آلودگی سے ملوث تھا یا ہو سکتا تھا۔ اصل میں ان باتوں کا مقصد حضور رحمتِ ہر عالم ﷺ کی شان کو گھٹانا ہے۔ اور افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ اس کام میں حضورِ اکرم ﷺ کے اُمتی کہلانے والے ملوث ہیں۔

محمد جعفر شاہ پھلواروی نے نزولِ وحی کے سلسلے میں بیان کردہ اس روایت اور اس قسم کی دوسری روایتوں کے بارے میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ "معانقہ بیٹھے بیٹھے نہیں ہوتا۔ اس کے لیے قیام ضروری ہے اور غارِ حرا میں قیام کی گنجائش نہیں۔ اس لیے بہت ممکن ہے، جبریلؑ صورتِ بشری میں نہ آئے ہوں اور پہلی وحی کے نزول کی یہ ساری تفصیلات روحانی کیفیات ہوں جس کو تمثیلی زبان میں بیان کیا گیا ہو"۔ (۱۴۱)

نزولِ وحی کے آغاز کے موقع پر بھی **عُروہ بن زبیر** اور کچھ اور لوگوں نے شقِ صدر کا اہتمام کیا ہے، اس لیے شقِ صدر کے بارے میں دو آرا کا یہاں بیان کرنا برمحل معلوم ہوتا ہے۔ ان آرا کا تعلق جبریلؑ کے معانقے کے ساتھ بھی ہے۔ **سیّد سلیمان ندوی** لکھتے ہیں۔ "علمائے ظاہر بین اس واقعہ (شقِ صدر) کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادے معنیٰ سمجھتے ہیں کہ واقعی سینۂ مبارک چاک کیا گیا اور قلبِ اقدس کو اسی آبِ زمزم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا، اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے۔ لیکن صوفیائے حقیقت بیں اور عُرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنیٰ سمجھتے ہیں اور تمام غیر متحمل الالفاظ معنیٰ کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں"۔ (۱۴۲) **عزیز احمد عزیز قاضی** نے شقِ صدر کے ایک واقعہ پر کچھ سوال اٹھائے ہیں۔ انھوں نے "سرجن"

مردوں کو قدسیہ قدرتیں' سونے کے طشت کو نوری توانائیوں کا حیرت انگیز منظر' چیر پھاڑ کے عمل کو ایکسرے میں استعمال ہونے والی توانائیوں کی طرح کی توانائیاں اور اندرونی وجود کو آبِ زمزم سے دھوئے جانے کو محاکۂ نور کی شعاعوں' موجوں' رووں اور کششوں کا بر سرِ عمل ہونا کہا ہے۔(۱۴۳)

نزولِ وحی کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب زیرِ نظر روایت اور اس طرح کی دوسری روایتوں کے حوالے سے **احسان الحق سلیمانی** نے اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔ ''حقیقت جب بے نقاب ہو کر سامنے آئی تو فرطِ حیرت سے آپ ﷺ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی جس کے اظہار کے لیے محدثین اور اصحابِ سیر نے شرح و بیان کے مختلف انداز اختیار کیے ہیں۔ حضرت جبریلؑ کی شخصیت سے مرعوبیت' ملاقات کے وقت کپکپی کا طاری ہونا' جبینِ اطہر پر پسینہ آنا' خوف و ہراس کے آثار کا نمایاں ہونا' قوتِ برداشت کا جواب دے جانا' وحی کی حقیقت کو سمجھنے میں پریشانی اور ورقہ بن نوفل کے کہنے اور سمجھانے پر سکونِ قلب حاصل ہونا' ۔ ۔ ۔ ایسی روایات ہیں جنھیں سیرت نگاروں نے (اور ان کے تتبع میں **مستشرقین** نے) نے بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے اور ان پر طویل حاشیے چڑھائے ہیں۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو روایات کے اس طومار میں ایک روایت بھی آنحضور ﷺ تک پہنچتی نظر نہیں آتی''۔(۱۴۴)

تلاوتِ آیاتِ علق

(حواشی صفحہ ۱۰۔۱۱ پر)

یہ بات پہلے آچکی ہے کہ **بخاری** میں منقول روایت کے مطابق فرشتے نے سورہ علق کی پہلی تین اور **مسلم** کے مطابق پہلی پانچ آیات حضور سرورِ ہر دو سرا علیہ التحیۃ والثنا کو پڑھائیں۔ **محمد عبدہٗ الفلاح** نے لکھا ہے۔ ''اس سورہ کا دوسرا نام ''اقرا'' بھی ہے اور یہ بالاتفاق مکی ہے۔ یہ قرآن کی سب سے پہلی سورہ ہے جو نبی ﷺ پر نازل ہوئی''۔(۱۴۵) **امین احسن اصلاحی** کا کہنا ہے۔ ''بعض پوری سُورہ کو سب سے پہلے نازل ہونے والی قرار دیتے ہیں لیکن اکثریت پوری سُورہ کو نہیں' بلکہ اس کی صرف ابتدائی

پانچ آیتوں کو یہ درجہ دیتے ہیں''۔(۱۴۶) ان کے خیال میں یہ پہلی نازل ہونے والی سورہ نہیں ہے اور وہ اس کے الگ الگ حصوں میں نازل ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں۔ ''شروع سورت سے یہاں تک کی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی ہے جو آنحضرت ﷺ پر غارِ حرا میں نازل ہوئی جہاں آنحضرت ﷺ دلبری سے پہلے الگ بیٹھ کر عبادتِ الٰہی کیا کرتے تھے''۔(۱۴۷)

سیّد محمد رفاعی عرب تحریر کرتے ہیں۔ ''منقول ہے کہ یہ سب سے پہلی سورت ہے جو نازل کی گئی اور جس وقت جبریلؑ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسے لے کر آئے تو کہا یا محمد ﷺ ''اقرا'' (پڑھیے) آپ ﷺ نے فرمایا: میں کیا پڑھوں؟ اس نے کہا' پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ یہاں ''علق'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نور کو سب چیزوں سے پہلے پیدا کیا''۔(۱۴۸)

محمد ادریس کاندھلوی کے بقول ''یہ بات اجماع سے ثابت ہے کہ وحئ الٰہی کا آغاز سورۂ اقرا کی پہلی پانچ آیات کے نزول سے ہُوا''۔(۱۴۹) **مفتی محمد شفیع** نے بھی لکھا۔ ''بعض حضرات نے سورۂ مدثّر کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے سورۂ فاتحہ کو۔ امام بغوی نے فرمایا کہ جمہور سَلَف و خلف کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقرا کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں''۔(۱۵۰)

شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں۔ ''یہ پانچ آیتیں (اِقْرَاْ سے مَالَمْ یَعْلَمْ تک) قرآن کی سب آیتوں یا سورتوں سے پہلے اتریں۔ آپ ﷺ غارِ حرا میں خدائے واحد کی عبادت کر رہے تھے کہ اچانک حضرت جبریلؑ وحی لے کر آئے اور آپ ﷺ کو کہا۔ ''اقرا'' (پڑھیے) آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''مَا اَنَا بِقَارِئٍ'' (میں پڑھا ہُوا نہیں) جبریلؑ نے کئی بار آپ ﷺ کو زور زور سے دبایا اور بار بار وہی لفظ ''اقرا'' کہا۔ آپ ﷺ وہی ''ما انا بقارئٍ'' جواب دیتے رہے۔ تیسری مرتبہ پھر جبریلؑ نے زور سے دبا کر کہا۔ ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ۔ ۔ ۔ ۔'' یعنی اپنے رب کے نام کی برکت اور مدد سے پڑھیے۔ مطلب یہ ہے کہ جس رب نے ولادت سے اس وقت تک آپ کی ایک عجیب اور نرالی شان سے تربیت فرمائی جو

بتا دیتی ہے کہ آپ ﷺ سے کوئی بڑا کام لیا جانے والا ہے' وہ آپ کو اُدھر میں چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی کے نام پر تعلیم ہوئی جس کی مہربانی سے تربیت ہوئی۔ حضرت شا[ہ] صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے کبھی لکھا پڑھا نہ تھا۔ فرمایا کہ "قلم سے بھی وہی علم دیتا ہے' یوں بھی وہی دے گا"۔ اور ممکن ہے' اِدھر بھی اشارہ ہو کہ جس طرح مفیض و مستفیض کے درمیان قلم واسطہ ہوتا ہے' اللہ اور محمد ﷺ کے درمیان جبریلؑ محض ایک واسطہ ہیں۔ جس طرح قلم کا توسّط اس کو مستلزم نہیں کہ وہ مستفیض سے افضل ہو جائے' ایسے ہی یہاں حقیقتِ جبریلیہ کا حقیقتِ محمدیہ ﷺ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا"۔ (۱۵۱)

اشرف علی تھانوی کہتے ہیں۔ "حدیثوں میں جو آپ ﷺ کا ڈر جانا اور ورقہ سے بیان کرنا آیا ہے' وہ بوجہ شُبہہ کے نہ تھا بلکہ خوف تو ہیبتِ وحی سے اضطراری تھا اور ورقہ سے بیان کرنا مزید اطمینان و زیادتِ ایقان کے لیے تھا' نہ کہ عدمِ ایقان کے لیے"۔ (۱۵۲)

عبدالماجد دریا بادی نے اپنے تفسیری حاشیے میں لکھا۔ "ایک شب میں کہ وہ رمضان ۱۳ ق ھ (جولائی ۶۱۰) کی کوئی تاریخ تھی کہ دفعتاً" فرشتۂ اعظم حضرت جبریلؑ نے نمودار ہو کر آپ ﷺ سے فرمایا کہ "اقرا" یعنی پڑھیے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ما انا بقارئٍ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ اس پر انھوں نے آپ ﷺ کو اپنے سے لپٹایا اور بھینچا۔ اور پھر اسی طرح مکالمہ و معانقہ کا اعادہ ہوا۔ گویا بارِ وحی کے اٹھانے کے لیے جن قوتوں کی ضرورت ہے' وہ ملکوتی واسطہ سے بشری جسم میں پوری طرح سرایت کر دی گئیں اور تیسری بار کی تکرار کے بعد پوری پانچ آیتیں "اقرا" سے مالم یعلم تک فرشتۂ اعظم نے پڑھ کر رسولِ اعظم ﷺ کو سنا دیں۔ وحی سے خصوصاً" جبکہ اس کا بالکل پہلا تجربہ تھا' تأثر اور خوف و رعشہ بالکل طبعی تھا (اسی اضطراری جسمانی کیفیت کو بعض بے دانشوں نے عظمتِ رسول ﷺ کے منافی سمجھا ہے) آپ ﷺ نے گھر آ کر رفیقِ زندگی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا سے ماجرا بیان فرمایا۔ انھوں نے تسلی دی اور......"۔ (۱۵۳)

ابو الاعلیٰ مودودی نے کہا۔ "حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی وہ حدیث جسے

امام احمد' بخاری' مُسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے' صحیح ترین احادیث میں شمار ہوتی ہے اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے خود رسولُ اللہ ﷺ سے سُن کر آغازِ وحی کا پورا قصّہ بیان کیا ہے"۔ (۱۵۴) **پیر محمد کرم شاہ** بھی لکھتے ہیں۔ "سب سے صحیح روایت وہ ہے جس کی راویہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا ہیں جسے امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے...."۔ (۱۵۵)

شیعہ عالم **سید امداد حسین کاظمی** لکھتے ہیں۔ "تفسیر صافی صفحہ ۵۳۲ پر بحوالہ تفسیر قمی' امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ (سورہ اقرا) سب سے پہلی سورت ہے جو نازل کی گئی اور جس وقت جبرائیل امینؑ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسے لے کر آئے تو کہا یَا مُحَمَّدُ اِقْرَاْ (پڑھیے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "وَمَا اِقْرَاْ" (میں کیا پڑھوں؟) اس نے کہا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ... یہاں علق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے آپ ﷺ کے نور کو سب چیزوں سے پہلے پیدا کیا"۔ (۱۵۶)

لیکن **حافظ فرمان علی** نے لکھا۔ "یوں تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت اس وقت بھی تھی جبکہ آدمؑ آب و گل کی منزل میں تھے اور اس وقت بھی تھی جبکہ آپ ﷺ عالم ظہور و شہود میں تشریف لائے تھے لیکن آپ ﷺ کی بعثت عام لوگوں کے لیے اس وقت ہوئی جبکہ آپ ﷺ کی عمر چالیس سال کی ہو گئی۔ بروایتِ حیات القلوب' آپ چالیس سال کی عمر سے پہلے' اپنی نبوت پر خود ہی عمل کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کی بعثت عام لوگوں کے لیے ہوئی تو آپ ﷺ نے تبلیغ کا سلسلہ شروع فرمایا۔ بروایت اقمی' آپ ﷺ پر جبرائیلؑ کا نزول پہلے پہل ۳۷ سال کی عمر میں ہوا لیکن وہ ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ صرف ان کی آواز "السّلام علیک یا رسولَ اللہ ﷺ" رسولِ خدا ﷺ کو سنائی دیتی تھی۔ ۴۰ سال کی عمر میں ۲۷ رجب کو آپ ﷺ کی بعثتِ عامہ ہوئی اور آپ ﷺ پر سورۂ اقرا نازل ہوئی۔ میرے نزدیک اس سورۃ کے لفظ "اقرا" سے شروع ہونے کا مقصد یہ تھا کہ رسولِ کریم ﷺ اللہ کے نام سے قرآن پڑھ کر سنانا شروع کر دیں جس کا علم انھیں پہلے سے تھا۔ اسعودی میں ہے کہ پانچ آیات "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ" تک' کوہِ حرا میں نازل

ہوئیں جہاں آپ ﷺ تھوڑے سے معتکف تھے اور وہیں روز و شب عبادت کیا کرتے تھے۔ بروایت ابنِ شہر آشوب دراوندی و طبری' وہ وہاں فرشتوں کی آوازیں سنتے تھے اور سچے خواب دیکھتے تھے اور ان حالات کی اطلاع حضرت علی ؓ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کو نہ تھی۔ بروایت حیات القلوب' "آپ ﷺ جب کوہِ حرا سے عازمِ خانہ ہوئے تو ہر وہ چیز جو راستے میں پڑی' وہ چاہے درخت ہوں یا گل بوٹے' اس نے آپ ﷺ کو "السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ" کہہ کر سلام کیا۔ جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کو انوارِ باری گھیرے ہوئے تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ میں آج کیا دیکھ رہی ہوں۔ فرمایا: جبرائیلؑ آئے تھے اور کارِ رسالت شروع کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے اور سورہ "اقرا" کی تلاوت کی ہے۔ یہ سن کر خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی باچھیں کھل گئیں۔ کہا' میں اس کے آثار آپ میں پہلے سے دیکھ رہی تھی۔ پھر فورا" کلمہ پڑھا۔ ان کے فورا" بعد علی ابنِ ابی طالب ؓ نے تصدیقِ رسالت کی جس کے وہ پہلے سے منتظر تھے......

نزولِ سورۂ اقرا کے سلسلے میں بعض مسلمانوں نے لکھا ہے کہ جبرائیلؑ نے کہا کہ پڑھو۔ آپ ﷺ نے فرمایا' میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' کیا پڑھوں' کیونکر پڑھوں۔ پھر آپ ﷺ کو انھوں نے زور سے دبایا' اور آپ ﷺ بے طاقت ہو گئے۔ پھر ان کا سینہ چاک کیا یعنی شق کیا' اور اس کو دھویا' وغیرہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب "تاویل الاحادیث" ترجمہ اردو کے صفحہ ۱۴۰' طبع حیدر آباد میں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سینہ شق ہوا اور اس میں حکمت اور عصمت اور ایمان بھرا گیا۔

میرے نزدیک یہ سب باتیں بالکل بے معنی' لغو' مہمل' مدلولِ قرآنی کے مخالف اور وقارِ منصبِ نبوت اور عصمت کے خلاف ہیں۔ بعض علماءِ اہل سنت بھی اسے مسترد کرتے ہیں اور مدلولِ قرآنی کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ حاشیۂ قرآن ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی صفحہ ۷۷۹' طبع بجنور میں موجود ہے"۔ (۱۵۷)

یرجف فواده

(حواشی صفحہ ۱۱۱ پر)

جب حضور خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والثناء تک سورۂ علق کی ابتدائی آیات پہنچا دی گئیں تو زیرِ نظر روایت کے مطابق "یرجف فواده"۔ **عبدالرزاق** کے ترجمے کے مطابق آنحضرت ﷺ یہ کلمات سیکھ کر واپس لوٹے مگر آپ ﷺ کا دل لرز رہا تھا"۔ (۱۵۸) عبدالحکیم خاں **اختر شاہجہانپوری** کے ترجمے کے مطابق "رسولُ اللہ ﷺ نے ان آیات کو دہرایا اور آپ ﷺ کا دل کانپ رہا تھا"۔ (۱۵۹) **وحید الزمان** لکھتے ہیں۔ "یہ سن کر رسولُ اللہ ﷺ لوٹے اور آپ ﷺ کے مونڈھے اور گردن کے بیچ کا گوشت پھڑک رہا تھا"۔ توسین میں لکھا ہے۔ "ڈر اور خوف سے چونکہ یہ وحی کا پہلا مرتبہ تھا اور آپ ﷺ کو عادت نہ تھی' اس واسطے ہیبت چھا گئی"۔ (۱۶۰)

"یرجف فواده" کو مختلف سیرت نگاروں نے جن الفاظ میں بیان کیا ہے' ان کے سرسری جائزے کی صورت یہ ہے: دل دھڑک رہا تھا (ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کا ترجمہ از مزمل حسین فلاحی) سخت خوف طاری ہوا (عبداللہ خاں) خوف زدہ ہو گئے (ابو الحسن علی ندوی) سردی محسوس ہو رہی تھی (عبدالرحمان ابنِ جوزی کا ترجمہ از محمد اشرف سیالوی) جسم کانپ رہا تھا (ابنِ کثیر۔ ترجمہ از غلام احمد حریری) دل دھڑک رہا تھا (عبدالصمد رحمانی) خوف سے آپ ﷺ کا دل دھڑکتا تھا (عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کا ترجمہ از محمد اسحاق) آپ ﷺ کا دل دھک دھک کر رہا تھا (صفی الرحمان مبارکپوری) آنکھ کھل گئی۔ ہراس بڑھتا ہی گیا۔ بدن پر کپکپی سرسرانے لگی۔ غار سے بھی وحشت پیدا ہو گئی (محمد حسین ہیکل کا ترجمہ از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی) کانپتے لرزتے ہوئے پلٹے (ابو الاعلیٰ مودودی / محمد شریف قاضی) قلبِ مبارک پر ایک طرح کا لرزہ طاری تھا (عبدالحیٔ) پسینے میں شرابور کانپتے ہوئے گھر آئے (محمد صالح نقشبندی) قلبِ مبارک دھڑک رہا تھا' گوشت پھڑک رہا تھا (قسطلانی کا ترجمہ از عبدالجبار آصفی) روح و دل کو اللہ کا ڈر طاری ہوا (محمد ولی رازی) یہ سبق پڑھ کر گھر تشریف لائے (نور بخش توکلی) وحشت ہونے لگی۔ طوفانی دور کی شدت اور وحشت (غلام ربانی عزیز) دل کانپ رہا تھا (پیر محمد کرم شاہ) دل اس بوجھ کے ڈر سے کانپ گیا (عطاء اللہ خاں عطا) گھبراہٹ محسوس کرنے لگے۔ (شاہ مصباح الدین شکیل) گھبراہٹ

کے عالم میں گھر تشریف لائے (عبدالمصطفیٰ محمد اشرف) بعد میں جبریلؑ کو دیکھا تو کپکپی طاری ہوئی (محمد یوسف لدھیانوی) قلب مبارک پر لرزہ تھا (سید سلیمان ندوی)۔

بعض سیرت نگاروں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب اس روایت کے علاوہ کوئی اور روایت بیان کی ہے' یا اس روایت میں کسی اور روایت کا پیوند لگایا ہے لیکن کوشش کی ہے کہ حضور رحمۃٌ للعالمین ﷺ کی کپکپاہٹ اور خوف کم نہ ہونے پائے۔ تاریخ طبری میں ہے۔ "دفعتاً" روح القدس آپ ﷺ کے پاس (غارِ حرا میں) آئے اور کہا' اے محمد ﷺ تم اللہ کے رسول ہو۔ حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت کھڑا ہوا تھا' گھٹنے کے بل بیٹھ گیا' اور پھر وہاں سے خوف سے لرزہ براندام گھر بھاگ کر آیا"۔ (۴۲)

انبیاو مرسلینؑ پر حضور ﷺ کی فضیلت

(حواشی صفحہ ۱۱ پر)

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیا و رسل علیہم السلام اس دنیا میں بھیجے' ان کی نبوت کی بنیاد وہ میثاق ہے جو اس نے روزِ ازل لیا۔

"اور یاد کرو' جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تشریف لائے تمھارے پاس وہ رسول (ﷺ) کہ تمھاری کتابوں کی تصدیق فرمائے۔ تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا' کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی' ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا' تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تمھارے ساتھ گواہوں میں ہوں"۔ (۴۳)

یعنی تمام نبیوںؑ نے یہ عہد کیا کہ اگر حضور خاتم المرسلین ﷺ ان کے عہدِ نبوت میں تشریف لے آئے تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ ﷺ کی مدد کریں گے۔ سارے کے سارے انبیاءِ کرام علیہم السلام اس معاہدے پر گواہ ٹھہرے اور اللہ کریم نے خود بھی ان کے ساتھ گواہ ہونے کا اعلان فرمایا۔ اس طرح خداوندِ قدوس جل وعلا نے اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عظمت ان سے پہلے ہی تسلیم کروائی۔

ابو سعید نیشاپوری شرف المصطفیٰ ﷺ میں لکھتے ہیں کہ وہ فضائل جن کے آپ نبی الانبیا علیہ التحیۃ والثناء کو تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی' وہ ساٹھ ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے اس موضوع پر جو احادیث و آثار تلاش کیے ہیں' ان کو باب نمبر ۲۸۸ سے باب نمبر ۴۵۰ تک بیان کیا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں: حضور ﷺ از رُوئے خلقت اور تقدمِ نبوت میں تمام انبیا علیہم السلام سے اول ہیں۔ اللہ سبحانہ نے آپ ﷺ کی عمر کی قسم کھائی۔ قبر میں مُردے سے آپ ﷺ کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ ملک الموت آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی اجازت سے آیا۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج کا نکاح حرام ہے۔ حضور ﷺ کی کُنیت رکھنا درست نہیں۔ آپ ﷺ کی دختران اور ازواجِ مطہرات (رضی اللہ عنہن) کو تمام نساءِ عالمین پر فضیلت دی گئی ہے۔ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو انبیاء کے علاوہ تمام عالمین پر فضیلت ہے۔ آپ ﷺ کی امت سابقہ امتوں سے عمل میں کم اور اجر میں زیادہ ہے۔ آپ ﷺ' آپ ﷺ کی آل اور آلؓ کے موالی پر صدقہ اور زکوٰۃ حرام ہے۔ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اُمّہاتُ المؤمنینؓ ہیں۔ آپ ﷺ کا بَول و براز اور خون طاہر ہے۔ آپ کی اہانت کرنے والا کافر اور واجب القتل ہے۔ آپ ﷺ کا رؤیا وحی ہے۔ خواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی زیارت حق ہے۔ آپ ﷺ پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔۔۔ (۴۴)

خداوندِ قدوس و لایزال نے زمین' آسمان' سورج' چاند' ستارے --- اور' ان کے علاوہ بہت سی دنیائیں پیدا کیں' ان میں قسم قسم کی مخلوق پیدا کی۔ جب کچھ بھی نہ تھا' خداوندِ کریم و عظیم نے چاہا کہ یہ سب کچھ پیدا ہو جائے' --- ہو گیا۔ کُن اور فیکُون کے درمیان کوئی فاصلہ نہ تھا' مگر "کیوں؟" کا سوال اپنی جگہ ہے اور بہت اہم ہے۔ یہ ہنگامۂ عالم کس سبب سے ہوا؟ اس تخلیق کا باعث کیا تھا' یہ سب کیوں بنایا گیا؟ تو' خدا تعالیٰ نے اسے بھی راز نہیں رکھا۔ ہر عالم کی تخلیق کا سبب اور زمین و آسمان کی تشکیل کا باعث بھی اس نے بتا دیا۔ مشہور حدیثِ قدسی ہے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ اس نے اپنے محبوبِ پاک صاحبِ لولاک ﷺ سے کہا کہ یہ سب کچھ آپ کے لیے پیدا کیا گیا (۴۵)

حدیثِ لولاک کو بعض نے موضوع کہا ہے مگر ساتھ ہی محققین نے وضاحت کر دی ہے کہ وضع کا تعلق الفاظ سے ہے' مفہوم اور معنی بالکل صحیح ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً" روایت ہے کہ جبریلِ امین علیہ السلام نے بارگاہِ سرکارِ ابد پناہ ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو جنّت نہ پیدا کی جاتی۔ آپ نہ ہوتے تو "نار" پیدا نہ کی جاتی۔ ابنِ عساکر کی روایت میں لولاک لما خلقت الدنیا کے الفاظ ملتے ہیں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہٗ کی روایت میں زمین و آسمان اور دوسری چیزوں کے پیدا کرنے کی بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو پیدا نہ کرتا تو تمھیں پیدا نہ کرتا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت حضور ﷺ کی خلقت کی وجہ سے ہے (۱۲۶)

اللہ تعالیٰ نے یہ اور ایسے دیگر تمام عوالم جو ہمارے علم میں بھی نہیں ہیں' اپنے محبوب پاک ﷺ کے لیے تخلیق کیے۔ عالمین کی تخلیق کا باعث بھی حضور سرورِ انام علیہ التحیۃ والسلام ہیں' انھی کے لیے یہ سب پیدا کیے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے پیارے' حضور سرورِ کائنات باعثِ تخلیقِ موجودات علیہ السّلام والصلوٰۃ کے ذکرِ مبارک کو بلند کرنے کا اعلان فرمایا تو وہ بھی آپ ﷺ ہی کے لیے۔ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ (۱۶۷) کہ ہم نے آپ ﷺ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کر دیا۔ عالمین اور ان میں جو جو کچھ ہے' وہ سب محبوب ﷺ ہی کی خاطر پیدا ہوا اور اس میں ان کا ذکر انھی کی خاطر بلند کیا گیا۔ نیز' ان تمام عالمین اور اس میں موجود تمام مخلوق کے لیے انھیں رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس جس عالم کو اور جس جس چیز کو پیدا کیا' جن عالمین کا وہ رب ہے' ان کے لیے حضور ﷺ رحمت ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ کو پیدا کرنا مطلوب نہ ہوتا تو عالمین نہ ہوتے اور حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمتٌ للعالمین نہ ہوتے تو ان عالمین کا برقرار رہنا' ان کا ایک ترتیب اور تنظیم کے ساتھ چلنا ممکن نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ رحمت ہی ہے جو ہر چیز کو نظم و ضبط میں رکھتی ہے' اس کی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہونے دیتی' اس کو اپنی ڈگر سے ہٹنے نہیں دیتی۔ (۱۶۸)

لاکھوں قسم کے نباتات' حیوانات' جمادات اور اس کے علاوہ کروروں' اربوں قسم کے دوسرے عوالم اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم التحیۃ والتسلیم کی خاطر پیدا فرمائے اور حضور سرورِ کائنات علیہ السّلام والصّلوٰۃ کو ان تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَٰلَمِينَ (۱۶۹) ان لاتعداد جہانوں میں سے کچھ ہمارے سامنے ہیں' کچھ کے بارے میں سائنس دانوں کی تگ و دو نے کچھ معلومات فراہم کی ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جہاں تک ابھی انسان کا طائرِ خیال پرواز ہی نہیں کر سکا ہے۔ موجودہ علماءِ فلک کا خیال ہے کہ کائنات میں کم و بیش تیس کروڑ زمینیں چکر کاٹ رہی ہیں۔ اس نظریے کی بنیاد اس مشاہدے پر رکھی گئی ہے کہ فضا میں شمسوں کی تعداد دس کروڑ ہے اور ہر سورج کے اردگرد کم و بیش تین زمینیں گھوم رہی ہیں (۱۷۰)

ان کروروں سُورجوں اور کروروں زمینوں' اور پھر ان میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے اور پالے ہوئے اربوں کھربوں جہانوں کے لیے حضور حبیبِ کبریا علیہ الصّلوٰۃ والثناء کو رحمت بنا کر بھیجنے کا اُلُوہی اعلان موجود ہے۔ لیکن ہمیں تو ان تمام کائناتوں کی تعداد تک کا علم نہیں۔ پھر بہت سے ایسے عوالم بھی ہوں گے جن کے بارے میں ابھی انسان کو شاید سوچنے کی توفیق بھی نہ ملی ہو۔ ان سب جہانوں کو خالق و مالکِ حقیقی جلّ شانہٗ نے تخلیق کیا' وہ ان تمام جہانوں کا رب ہے اور اس نے ان تمام جہانوں کے لیے حضور ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

کیا حضورِ اکرم ﷺ جہانِ انبیاء" کے لیے رحمت نہیں ہیں؟ کیا سرکار علیہ الصّلوٰۃ والسلام عالمِ ملائکہ کے لیے رحمت بنا کر نہیں بھیجے گئے؟ کیا حضور ﷺ کو دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام پر فضیلت اور تفوّق عطا نہیں فرمایا گیا؟ کیا کسی اور نبی یا رسول ؑ کو بھی لامکاں میں بلوا کر اس سے بالمشافہ بات چیت کی گئی ہے؟

پھر'---یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو پیدا ہوتے ہی علم ہو کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور صاحبِ کتاب نبی ہیں' لیکن سرتاج الانبیاء' افضل الانبیاء ﷺ کو چالیس برس کے بعد بھی کانپنا پڑے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اور کسی نبی ؑ کا تو حضرت جبریل ؑ

سے پہلی ملاقات کے وقت اتنا پتلا حال نہ ہُوا ہو' جتنا حضور محبوبِ ربّ العالمین ﷺ کا بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ پہلے انبیا و رسل ؑ کے دلوں سے تو "لاشئوں" (نعوذُ باللہ) کو دور کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہو اور حضورِ اکرم ﷺ کے سینۂ مبارک کی چار پانچ بار چیر پھاڑ کی ضرورت پڑے۔ اگلوں میں سے کسی کو کمبل اوڑھنے' ڈرنے' کانپنے' اہلیہ سے تسلی آمیز الفاظ سننے اور ورقہ بن نوفل سے تصدیقِ رسالت و نبوت کا معاملہ پیش نہ آئے۔ انھیں تو ویسے ہی یقین ہو جائے لیکن حضورِ اکرم ﷺ کو اس وقت یقین آئے جب ایک عیسائی عالم (ورقہ بن نوفل) آپ ﷺ کو تسلی دیں کہ آپ نبی ہیں۔

کیا حضور ﷺ نے فرشتہ پہلی بار دیکھا تھا' اس سے پہلے کسی فرشتے سے صاحب سلامت نہیں ہوئی تھی؟ اس سلسلے میں اور کچھ نہیں تو شقِ صدر والی روایتوں ہی سے فرشتوں کی جان پہچان ثابت ہو سکتی ہے۔ ابنِ سعد اور ابنِ عساکر' زہری' مجاہد اور نافع بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے دادا (حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ) کے فرش پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے چچا آپ ﷺ کو ہٹانا چاہتے تو عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کہتے۔ میرے بیٹے کو رہنے دو' یہ تو فرشتوں کا ہم جولی ہے (۱۷۱) میسرہ کا بیان ہے کہ جب سفرِ شام میں دوپہر ہوتی اور گرمی کی شدت ہوتی تو میں دو فرشتوں کو دیکھتا تھا کہ وہ آپ ﷺ پر سایہ کر لیتے تھے (۱۷۲) کیا وہ صرف میسرہ ہی کو نظر آتے تھے' حضور ﷺ نے انھیں نہیں دیکھا؟

حضور رحمۃٌ للعالمین ﷺ اپنے رب کے فضل سے عالمِ ملائکہ کے لیے بھی رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور تمام ملائکہ "آپ ﷺ کی رحمت سے مستفید ہوتے ہیں۔ جو رحمت کے باعث تخلیق ہوتا ہے' رحمت سے مستفید ہوتا ہے' وہ اپنی جبلّت کے اعتبار سے شکر گزار ہوتا ہے' اور فرشتوں کو تو اللہ کریم جلّ وعُلا نے اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت پر بھی مامور کر رکھا ہے۔ اور' انھیں خدمت کا یہ اعزاز حضور نبی الانبیا علیہ التحیۃ والثناء کے اس دُنیائے آب و گل میں تشریف آوری کے ساتھ ہی مل

گیا تھا' اعلانِ نبوت کے بعد نہیں ملا۔ خصائص میں ذکر ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کا جھولا فرشتوں کی جنبش سے ہلا کرتا تھا۔ (۱۷۳)

حضور سیّدِ عالم ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا جُھولا کبھی ہمارے ہلانے کا محتاج نہ ہوا (۱۷۴) آپ ﷺ جب جھولے میں ہوتے تھے تو حلیمہ رضی اللہ عنہا یا گھر کے کسی دوسرے فرد کو جُھولا جُھلانے کی ضرورت نہ پڑتی تھی بلکہ آپ ﷺ کا جھولا خود بخود جھلتا رہتا تھا (۱۷۵) فرشتے حضور ﷺ کے پنگھوڑے کو ہلاتے تھے۔ (۱۷۶)

جب حضور فخرِ موجودات سرورِ کائنات علیہ السّلام والصلوٰۃ حضرت خدیجۃُ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے شریکِ تجارت بن کر' ان کے غلام میسرہ کے ساتھ سفر کو گئے تو میسرہ نے دیکھا (اس کا ذکر پہلے آچکا ہے) کہ سورج کی تپش کے دوران دو فرشتوں نے آپ ﷺ پر اپنا سایہ کیا ہوا تھا۔ سیرتِ دحلانیہ میں ہے' جب قافلہ مکّہ معظمہ پہنچا تو شدید دوپہر تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ آپ ﷺ اونٹ پر سوار ہیں اور سر پر دو فرشتوں نے سایہ کر رکھا ہے (۱۷۷)

کوئی صاحب کہ سکتے ہیں کہ عام فرشتوں کو تو حضور ﷺ جانتے تھے' سرخیلِ ملائک حضرت جبریل ؑ سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ اس سلسلے میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت مزا دے گی۔ ابو نعیم' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ "رسولُ اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مقامِ رکن اور زمزم کے درمیان سونے اور بیداری کی حالت میں تھا کہ میرے پاس جبریل ؑ اور میکائیل ؑ تشریف لائے۔ ان میں سے ایک نے دریافت کیا کہ وہ شخص یہی ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ وہ شخص یہی ہے اور یہ بڑا اچھا آدمی ہے' اگر یہ بتوں کو ہاتھ نہ لگائے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بتوں کو ہاتھ نہیں لگایا' تا آنکہ حق تعالیٰ نے مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا"۔ (۱۷۸) یہاں سرکار ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان دونوں فرشتوں نے اپنے نام بتائے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ان دونوں کو پہچانتے تھے۔ اور روایت ہی سے ظاہر ہے

کہ یہ اعلانِ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

جس روایت پر بات ہو رہی ہے' اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے پاس فرشتہ آیا تو اس نے تعارُف نہیں کروایا۔ اگر حضورِ اکرم ﷺ پہلے سے جبریلؑ سے واقف نہ ہوتے تو وہ لازماً" تعارُف کرواتا۔ لیکن جب پہلے سے واقفیت تھی تو ڈرنے کانپنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ پھر' جس طرح حضورِ پُرنور ﷺ کو تین بار بھینچا' دبوچا گیا' ایسا بھی اس سے پہلے کسی نبی کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔۔۔ اور' اس روایت سے بنیادی طور پر یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ حضور ﷺ کو اس سے پہلے کچھ پتا نہ تھا کہ نبوت کیا ہوتی ہے اور یہ کہ انھیں اس مرتبے پر فائز کیا جائے گا۔ اس روایت سے یہی لابُدی نتیجہ نکالنے پر تو ابو الاعلیٰ مودودی کو حضورِ اکرم ﷺ کو "بے خبر انسان" قسم کے الفاظ لکھنے کا حوصلہ ہُوا۔

الخصائص الکبریٰ کے باب اول کی چند سطریں ملاحظہ فرمایئے:

"احمد' بخاری (اپنی تاریخ میں) طبرانی' حاکم' بیہقی اور ابو نعیم میسرۃ الفجر سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے پوچھا یا رسولَ اللہ ﷺ آپ کب نبی بنائے گئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "جب آدمؑ روح اور جسم کی درمیانی حالت میں تھے"۔

حاکم' بیہقی اور ابو نعیم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبیِ کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس وقت نبی مقرر کیا گیا۔ فرمایا: اس وقت جب آدمؑ پیدائش اور نفخِ رُوح کے درمیانی مرحلے میں تھے۔

ابو نعیم صنابحی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے استفسار فرمایا کہ آپ ﷺ کس وقت نبی بنائے گئے۔ فرمایا' اس وقت جب آدمؑ مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے (یہ حدیث مرسل ہے)

ابن سعد ابن ابی الجدعاء سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسولِ اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کب نبی بنائے گئے۔ فرمایا' اس وقت جب آدمؑ روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ابن سعد مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے

رسولُ اللہ ﷺ سے استفسار کیا کہ آپ کب نبی بنائے گئے؟ فرمایا' آدمؑ جسم اور روح کی درمیانی حالت میں تھے' جب مجھ سے میثاق لیا گیا"۔ (۱۷۹)

ابن سعد اور ابنِ عساکر' عبداللہ بن محمد بن عقیل سے روایت کرتے ہیں کہ سفرِ شام میں صاحبِ دَیر نے حضور ﷺ کے بارے میں حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ سے کہا' ان کا چہرہ نبی کا چہرہ اور ان کی آنکھیں نبی کی آنکھیں ہیں۔۔۔ ساری باتیں سن کر اور سوال جواب کر کے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم ﷺ سے مخاطب ہوئے۔ "اے بھتیجے! سُن رہے ہو' یہ تمھارے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟"۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "چچا جان! اللہ کی قدرت سے کیا بعید ہے؟" (۱۸۰)

کیا ان روایتوں اور روایتِ عائشہؓ میں تطابُق کی کوئی صُورت ہو سکتی ہے؟ اگر ہمارے آقا حضور ﷺ کو حضرت آدمؑ کی تخلیق سے بھی پہلے اپنے نبی ہونے کے بارے میں علم تھا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیرِ نظر روایت خواہ مخواہ منسوب تو نہیں کر دی گئی۔ اگر راہب کے نبی کہنے کی بات اور حضور ﷺ کا اللہ پر ایمان و یقین کا اظہار درست ہے تو پھر ورقہ بن نوفل کی یقین دہانی کے بغیر اپنے آپ کو نبی مان لینے میں تأمل کیسے درست ہو سکتا ہے۔

اگر حضور سرتاج الانبیا علیہ التحیۃ والثناء دوسرے انبیاءِ کرام علیہم السّلام پر بہت سی فضیلتیں رکھتے ہیں تو نزولِ وحی کے تمام مراحل میں انھیں ہر نبیؑ سے کمتر ثابت کرنے کی کوشش کون کر رہا ہے۔ اگر سرکارِ والا تبار ﷺ عالمِ ملائکہ کے لیے بھی رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں تو اس عالم سے اور اس کے سرخیل حضرت جبریلؑ سے حضور ﷺ کی ناواقفیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے اور جبریلِ امینؑ سے ڈرنے کی کیا صورت ممکن ہے۔

فَدَخَلَ عَلٰی خَدِیْجَۃَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب زیرِ نظر روایت میں جب حضور ﷺ پڑھنے پڑھانے سے فارغ ہو گئے تو ڈرتے کانپتے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس

آئے۔

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ زیرِ نظر روایت میں اپنے گھر کے بجائے خدیجہ رضی اللہ عنھا کے گھر یا اپنے گھر (جس میں حضور ﷺ کی زوجۂ مکرمہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے علاوہ آپ ﷺ کی اولاد بھی موجود تھی) کے بجائے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے پاس آنے کی بات کی گئی ہے۔ حالانکہ سیدھی بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ حضورِ پُر نور ﷺ اپنے گھر تشریف لائے۔

اور.... پہلے تو توشہ لانے کے لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کا نام اس لیے لیا گیا کہ سب لوگ یہی لکھے جا رہے ہیں کہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنھا کی وجہ سے حضور ﷺ کے معاشی دُلدّر دور ہو گئے تھے۔ اسی کو ثابت کرنے کے لیے سامانِ خورد و نوش کے لیے ان کے پاس جانا ضروری گردانا گیا لیکن خوف زدہ ہونے کے بعد تو آپ ﷺ کو اپنے گھر آنے کی بات کی جانی چاہیے تھی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ان گھروں کو جن میں اُمّہاتُ المؤمنینؓ رہتی تھیں "بُیُوتُ النبی ﷺ" فرماتا ہے۔

زَمِّلُوْنِیْ

حضور رحمتہٌ للعالمین شفیع المذنبین ﷺ کی خوف و دہشت کی جو کیفیت غارِ حرا میں پیدا کی گئی' وہ غارِ حرا سے واپسی میں ساتھ رہی اور آپ ﷺ ایسی حالت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے پاس پہنچے۔ یعنی کم سے کم ایک ڈیڑھ گھنٹے کی واپسی کے سفر میں بھی سرکار ﷺ کی حالت میں کوئی بہتری نمودار نہ ہوئی اور گھر پہنچتے ہی حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ" (مجھے کچھ اوڑھا دو) اس کا ترجمہ مجھے اوڑھاؤ' مجھے کچھ اوڑھاؤ' مجھے کمبل اوڑھاؤ' مجھے چادر اوڑھاؤ' مجھے جلد ہی کپڑا اوڑھا دو' مجھے کوئی کمبل پہناؤ' مجھ کو کپڑے اوڑھا دو' ردا اوڑھاؤ' مجھ پر کپڑا ڈال دو' مجھے اوڑھا دو میں خوف زدہ ہوں' مجھ پر کمبل ڈال دو' مجھے جلدی کپڑا اوڑھا دیا جائے' کیا گیا۔

روایت کے مطابق آپ ﷺ کو کمبل اوڑھا دیا گیا۔ اور آپ ﷺ کا خوف دور

ہوا۔ یہ کپکپی' یہ خوف' یہ سردی' یہ دہشت' جو کچھ بھی اسے قرار دیا گیا' اسی بات کا کلسل ہے کہ حضرت جبریلؑ کی زیارت نے' ان کے دبوچنے' جھنجھوڑنے نے حضور ﷺ کو اس کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا اور ابھی تک آپ کو یہ علم نہیں ہوا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ یہ سلوک روا رکھنے والا کون تھا اور جو آیتیں آپ تک پہنچائی گئی تھیں' وہ کیا تھیں' اور یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول تھے۔

لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِىْ

(حواشی صفحہ ۱۲-۱۳ پ)

فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ وَ اَخْبَرَهَا الْخَبَرَ۔ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کو سارا واقعہ سنایا اور فرمایا لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِىْ کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ وحید الزمان نے بخاری کے ترجمے میں حاشیہ لکھا ہے۔ "آنحضرت ﷺ اپنا حال دیکھ کر ڈرے کہ کہیں جان پر نہ بن جائے۔ یہ نہیں کہ آپ ﷺ کو اس امر میں شک تھا کہ یہ بات اللہ کی طرف سے نہیں ہے"۔ (۱۸۱)

"لقد خشیت علیٰ نفسی" کا مطلب مختلف سیرت نگاروں اور مترجمین کے ہاں اردو میں یوں بیان کیا گیا ہے: مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ اندیشہ ہوا کہ میری جان نہ نکل جائے۔ خوف زدہ اور بے چین ہوا۔ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ جان کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔ مجھے تو اپنی جان کا فکر پڑ گیا ہے۔ مجھے اپنے آپ کے بارے میں خدشہ لگ رہا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میری جان نکل جائے۔ مجھے تو خوف و خشیت کا احساس ہونے لگا ہے۔ مجھے اپنے بارے میں ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ مجھے اپنے متعلق اندیشہ ہے۔ مجھے خطرہ دامنگیر تھا کہ میری عقل نہ جاتی رہے۔ میں زندہ نہیں بچوں گا۔ میری جان خطرے میں ہے۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں۔ "حق تو یہ ہے کہ ان حالات میں خوف' ہراس' بے چینی و اضطراب کا پیدا ہونا باعثِ حیرت نہیں۔ بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو باعثِ صد حیرت و

تعجب ہوتا"۔ (۱۸۲)

عُمدۃ القاری میں ہے۔ حضور ﷺ کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس امرِ عظیم کی ذمہ داریوں کو آپ پوری طرح سرانجام نہ دے سکیں اور وحی کے اس بارِ گراں کے متحمل نہ ہو سکیں۔ (۱۸۳) **فتح الباری** میں ابن حجر بھی اس کی توجیہ اسی طرح کرتے ہیں۔ "مبادا میں نُبوّت کے اس بارِ گراں کو اُٹھا نہ سکوں"۔ (۱۸۴)

پیر محمد کرم شاہ نے عینی اور ابن حجر کے یہ اقوال نقل کیے ہیں اور وہ ان سے پہلے اپنی محولہ بالا رائے لکھ چکے ہیں کہ ایسا ہونا ضروری تھا نہ ہوتا تو حیرت ہوتی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اوّلاً" ذمہ داریوں کے بارِ گراں سے عہدہ برآ ہونے یا نہ ہونے کی پریشانی کسی اور نبی یا رسول ؑ کو بھی کبھی ہوئی تھی' یا یہ پریشانی بھی ہم نے صرف اپنے آقا حضور ﷺ کے لیے مختص کر رکھی ہے۔ ثانیاً" یہ خوف و ہراس انبیاءِ سابقہ کو اگر نہیں ہُوا تو اس پر پیر محمد کرم شاہ یا کسی اور سیرت نگار کو پریشانی کیوں نہیں ہوئی۔ ثالثاً" وحی کے بارِ گراں کو اٹھانے کے سلسلے میں اس پریشانی کا تعلق جان کے خطرے کا کیا بنتا ہے۔ رابعاً" جب بعد میں ورقہ بن نوفل نے حضور ﷺ سے کہا کہ آنے والا وہی ناموس تھا جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آتا تھا اور آپ نبی ہیں تو یہ سن کر حضور ﷺ کا اطمینان کیا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ عینی و ابن حجر کی یہ تاویل درست نہیں کہ حضور ﷺ نبوت کے بارِ گراں سے خائف تھے' فرشتے سے نہیں۔ زیرِ نظر حدیث منسوب بہ اُمُّ المؤمنینؓ میں حضرت جبرئیلؑ اپنا تعارُف نہیں کرواتے' حضور ﷺ کو نہیں بتاتے کہ آپ رسول ہیں' اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی عبارت میں سے ایک لفظ اللہ کی طرف سے پہنچانے کے بجائے اپنی طرف سے حضور ﷺ تک پہنچانے کی جسارت کرتے ہیں۔ حضور ﷺ تین بار تو اس لفظ ("اقرء") کا جواب دینے میں لگے رہتے ہیں اور جبرائیلؑ کے دبوچنے بھینچنے کے نتیجے میں پڑھنے لگ پڑتے ہیں۔ حدیث کا تأثر یہ ہے کہ یہ آیات پڑھتے ہوئے حضور ﷺ کو ان آیات کے "کلامُ اللہ" ہونے کا نہیں' کلامِ جبریلؑ ہونے کا یقین تھا اور آخرِ کار ورقہ بن نوفل کے کہنے سے انھیں پہلی دفعہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول ہیں۔ اس میں "جان کے خوف" سے یہ معنی نکلنا کہ وہ نبوت

کے بارِ گراں کے سنبھال سکنے یا نہ سنبھال سکنے سے متعلق تھا' کس حد تک درست ہے' قارئین بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس سے مصر واپس جا رہے تھے کہ وادیٔ سینا میں آگ جلتی دیکھی' اسے تاپنے کے خیال سے گئے تو--- قرآن مجید میں ہے۔ "پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا کی گئی اے مُوسیٰ! بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں۔ تو اتار دے اپنے جوتے۔ بے شک تو طویٰ کی مقدس وادی میں ہے۔ اور میں نے پسند کر لیا ہے تجھے۔ خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے"۔ (۱۸۴-الف) پیر محمد کرم شاہ یہ آیات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس آواز کے سننے سے موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اپنے نبی ہونے کے بارے میں یقینی علم پیدا ہو گیا جس میں شک و شبہہ کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ یقینی علم جو دلائل و براہین کے بغیر دل میں پیدا ہو جائے' اسے علمِ ضروری اور بدیہی کہتے ہیں۔ اچانک یہ آواز سننے سے جب موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اپنی نبوت کے بارے میں کوئی شک و شبہہ باقی نہ رہا تو وہ ذاتِ اقدس جس کو نزولِ وحی سے پہلے کئی علامات اور نشانات دکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا' انھیں اپنی رسالت کے بارے میں کیونکر کوئی شبہہ ہو سکتا تھا' مکّہ سے باہر جاتے ہیں' وادی سے گزرتے ہیں تو دائیں بائیں شجر و حجر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ کہہ کر اپنی نیاز مندی کا نذرانہ پیش کر رہے ہوتے ہیں....(۱۸۴-ب)

اس سب گفتگو سے پیر محمد کرم شاہ یہ ثابت کرنے کی سعی کر رہے ہیں کہ "خوف و ہراس' سراسیمگی اور حیرانی" محض فرقانِ حمید کی جلالتِ شان کی وجہ سے تھی' جبرائیلؑ کا خوف نہیں تھا' رسالت کے بارِ گراں کے سنبھال سکنے یا نہ سکنے کا خدشہ نہیں تھا' نبوت کے لیے چُن لیے جانے پر کسی قسم کا اندیشہ نہیں تھا۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت دیے جانے کی ندا پر انھیں کوئی شبہہ نہیں تھا' تو حضور ﷺ کو کسی قسم کا شک شبہہ کیسے ہو سکتا تھا۔

لیکن حضرت! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب زیرِ نظر روایت کو پیش

نظر رکھیں جس کو دوسروں کی طرح آپ بھی مانتے ہیں۔ اس کے حوالے سے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کو ربِ کریم نے خود مخاطب کیا تو وہ نہیں ڈرے، انھیں جان کا خوف نہیں ہُوا، وہ نہیں کانپے، انھیں کمبل اوڑھانے کی ضرورت نہیں پڑی لیکن حضورِ اکرم ﷺ کو حضرت جبریل ؑ کے تخاطب نے اِن تمام مراحل سے گزار دیا۔ زیرِ نظر حدیث سے تو یہ بات ثابت ہی نہیں ہوتی کہ جو آیاتِ سورۂ علق حضور ﷺ تک ایک ڈرامے کے ساتھ پہنچائی گئیں، انھیں اللہ کا کلام کہا گیا ہو یا خود جبریل ؑ ہی نے اپنا تعارُف کروایا ہو۔ وہ تو ورقہ بن نوفل نے پہلی بار بتایا کہ حضور ﷺ کے پاس غارِ حرا میں آنے والا وہ ناموس تھا جو حضرت موسیٰ ؑ پر آتا تھا، اور یہ کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور انھیں ہجرت پر مجبور کر دیا جائے گا۔

اصل میں پیر صاحب بھی دوسروں کی طرح زیرِ نظر روایت کی تاویل کا "فریضہ" ادا کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اس کو ماننے سے انکار نہیں کرتے۔

پیر محمد کرم شاہ نے جہاں اس ""خوف و ہراس اور سراسیمگی اور حیرانی" (یہ الفاظ پیر صاحب ہی کے ہیں) کے متعلق عینی و ابنِ حجر کی رائے نقل کی ہے، وہاں علامہ محمد الصادق عرجون کی کتاب میں بحوالہ امام قسطلانی "قد خشیت علی" کے جملے کی جو تشریح پیش کی گئی ہے، اس کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے، جو یہ ہے:

"قد خشیت یہ واحد متکلم کا صیغہ نہیں بلکہ واحد مؤنث مخاطب کا صیغہ ہے اور یہاں حرف استفہام مقدر ہے۔ قد خشیت علی۔

لکھتے ہیں کہ رحمتِ کائنات ﷺ شرفِ نبوت سے مشرّف ہونے کے بعد گھر تشریف لائے۔ اپنی رفیقۂ حیات اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات فرمائی۔ کیونکہ حضور ﷺ مقررہ وقت سے کافی دیر بعد تشریف لائے تھے۔ اس تاخیر سے آپ ﷺ بے چین ہو گئے۔ سرورِ عالم (ﷺ) تشریف لائے تو عرض کی۔ این کنت یا ابا القاسم اے ابو القاسم! (حضور ﷺ کی کنیت) حضور ﷺ اتنی دیر کہاں تشریف فرما رہے۔ میں تو تاخیر سے بے چین ہو گئی تھی۔ حضور ﷺ کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے

لیکن جب وہ ناکام واپس آئے تو میری بے قراری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ سرورِ کائنات (ﷺ) نے اپنی رفیقۂ حیات کی تسلّی کے لیے فرمایا۔ ذرا میری طرف دیکھو۔ مالی؟ مجھے تو کوئی تکلیف نہیں پہنچی، میں تو بخیر و عافیت تمھارے سامنے موجود ہوں۔ پھر اقد خشیت علی کیا تمھیں میرے بارے میں خوف و اندیشہ لاحق ہو گیا تھا۔ انھوں نے عرض کی۔ کلّا۔ ہرگز مجھے کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہوا تھا۔ چونکہ آپ ﷺ اِن صفات کمل سے متصف ہیں۔ جو ہستی ایسے اوصاف حمیدہ سے متّصف ہو، اللہ تعالیٰ خود اس کا نگہبان ہوتا ہے، وہ اسے رُسوا نہیں کرتا۔ اس کے بعد نبیٔ مکرم ﷺ نے انھیں حرا کی خلوتوں میں جبرئیل ؑ کی آمد اور قراءتِ آیاتِ قرآنی کے بارے میں بالتفصیل مطلع فرمایا۔ (۱۸۵)

پیر صاحب ایک طرف تو حضور ﷺ کے خوف و ہراس اور بے چینی و اضطراب کو لابُدی گردانتے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب حدیث کو مانتے ہیں، دوسری طرف علامہ عرجون کی بیان کردہ حدیثِ عائشہ ؓ کی مذکورہ بالا تاویل اور اس روایت میں تبدیلی کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے، جس طرح انھوں نے اپنی تحریر کردہ تفسیر "ضیاء القرآن" میں ایک مقام پر آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ لکھا ہے اور دوسری جگہ چچا (۱۸۶) حالانکہ عرجون کی بیان کردہ روایت حضرت عائشہ ؓ سے منسوب روایت سے، ظاہر ہے کہ مختلف ہے۔

بدر الدین عینی، ابن حجر اور دوسرے بزرگ جو کچھ بھی کہتے رہیں اور ایسے حضرات کی تحریروں کے بل پر ہم تاویلات کے چکّر میں جتنا بھی پھنسیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب روایت میں جان کا خوف سوائے حضرت جبریل ؑ سے ڈرنے کے، اور کسی وجہ سے نہیں بنتا۔

ایسے میں غور کرنا چاہیے کہ کیا حضور نبی الانبیاء سرتاج الانبیا، محبوبِ کبریا علیہ التحیہ والثناء کے علاوہ، کسی اور نبی کو بھی حضرت جبریل ؑ سے ڈر لگا تھا یا یہ خصوصیت صرف آقا حضور ﷺ ہی سے منسوب کرنا ضروری سمجھی گئی ہے۔ کسی اور نبی ؑ کو بھی اس طرح جان کا خوف ہوا تھا، وہ ڈرتے کانپتے گھر لوٹے تھے اور کمبل اوڑھنے اور کسی ورقہ بن نوفل

سے ملاقات تک ان کا خوف جاری رہا تھا؟ اگر پہلے کبھی یہ نوبت نہیں آئی تو ہم حضور سید المرسلین ﷺ کی کیا تصویر پینٹ کر رہے ہیں؟

پھر، میرے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والثناء کی حیاتِ طیبہ میں ڈر، خوف اور سراسیمگی کی یہ کیفیت کبھی اور بھی سامنے آئی، یا یہی واحد موقع تھا کہ آپ ﷺ جان کے خوف سے لرز رہے تھے۔ جنگِ اُحد میں جب برائے نام ساتھی میدان میں رہ گئے تھے، حضور سیدِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام زخمی ہوئے، آپ ﷺ کا سامنے والا دانت شہید ہوا (تفصیلی بحث غزوۂ اُحد کے ذکر میں آئے گی کہ حضور ﷺ کے دو دانت یا چار دانت شہید نہیں ہوئے تھے، سامنے والے چار دانتوں میں سے ایک شہید ہوا تھا) آپ ﷺ کا خُود بھی چہرۂ مبارک میں کھُب گیا تھا اور ایسے کھُبا تھا کہ اس کی میخیں نکالتے ہوئے حضرت ابو عبیدہ ؓ کے دو دانت بھی شہید ہو گئے تھے۔ ان حالات میں بھی سرکارِ ابد قرار ﷺ کو اپنی جان کا خوف نہیں محسوس ہوا تھا۔ غزوۂ حنین میں بھی ایسی ہی صورت پیش آ گئی تھی مگر وہاں بھی حضور پُرنور ﷺ ایک ناقابلِ شکست چٹان کی مانند میدان میں ڈٹے رہے تھے اور چشمِ فلک نے دیکھا کہ آپ ﷺ کو کسی قسم کے خوف نے نہیں گھیرا تھا۔ طائف میں اور مکۂ مکرمہ میں کئی موقعوں پر حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا، اس میں کہیں یہ شائبہ بھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے جان کا خوف کیا ہو۔

حضور سیدُ الثقلین ﷺ کے ساتھ جان کے خوف کا تذکرہ بھی جسارت لگتی ہے، تاریخ گواہ ہے کہ آقا حضور ﷺ کے ادنیٰ اُمتیوں نے بھی جان کے خوف سے بے نیازی کے شاندار اور فقید المثال مظاہرے کیے ہیں۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبال ؒ تو کہتے ہیں

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید، تبسم بر لبِ اوست

اشجعِ عالم ﷺ کے ادنیٰ نام لیواؤں کی خصوصیت یہ ہے کہ موت کا خیال ان کے لیے مسرت کی نوید لاتا ہے جبکہ زیرِ نظر روایت میں حضور ﷺ پر جان کے خوف سے کپکپی

طاری کروادی گئی ہے۔

پتا نہیں، کس نے یہ حدیث اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب کردی ہے جس کے ہر ٹکڑے میں حضورِ اکرم ﷺ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے اور پتا نہیں، ہمارے مُحدّثین اور سیرت نگار حضرات نے کس طرح اس کو ٹھنڈے پیٹوں نہ صرف برداشت کر رکھا ہے، بلکہ بعض صورتوں میں اس میں کچھ اضافے بھی کیے ہیں۔ جہاں جہاں بات زیادہ ہی بے جواز نظر آتی ہے، وہاں دوسری روایات کا سہارا لیا گیا ہے۔ بعضوں نے اس روایت کو دوسری روایتوں کے بعض حصّوں سے ملا کر نئی روایت گھڑنے کی سعی کی ہے۔ بعض نے اس روایت کا کوئی حصّہ لے لیا ہے، کوئی چھوڑ دیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پوری روایت کو ماننا شاید کسی کے لیے بھی ممکن نہیں۔ حتیٰ کہ حضرت عروہ بن زبیر (جن سے یہ روایت اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سُن کر آگے بیان کرنا روایت ہے) نے بھی اپنی کتاب میں اس روایت سے رُوگردانی کی ہے۔

ہمارے خیال میں فضائل کی وہ تمام احادیث درست ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکارِ والا تبار ﷺ کو اس دُنیائے آب و گِل میں تشریف لانے سے پہلے علم تھا کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔ پھر قدم قدم پر، پرانی کتابوں کے عالم، مختلف عیسائی راہب، درخت اور پتھر، غرض ہر چیز یہ گواہی دیتی رہی کہ حضورِ اکرم ﷺ اللہ کے فرستادہ ہیں۔ اور دوسرے انبیاء و رُسل علیہم السلام کی طرح، بلکہ ان سے کہیں اچھی طرح سرکار ﷺ کو علم تھا کہ انھیں نہ صرف قیامت تک کے لیے مبعوث کیا گیا ہے، بلکہ یہ سب کائناتیں ان کے لیے بنائی گئی ہیں، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ تمام عالمین کے لیے رحمت ہیں اور جہاں جہاں رحمت کی ضرورت ہوتی ہے وہاں وہاں سرکار ﷺ کی رسائی ہے ---- اور، رحمت کی ضرورت کہاں نہیں ہوتی۔

اگر صرف شقِ صدر کے قائلین ہی کی تسلیم کردہ روایات پر انحصار کیا جائے تو بھی حضرت جبرئیلؑ سے حضور ﷺ کا واقف نہ ہونا سمجھ میں نہیں آتا مگر کیا کریں کہ زیرِ نظر (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب) روایت کی مدد سے مودودی صاحب جیسے

لوگوں کو حضور ﷺ کے بارے میں "بے خبر انسان" کہنے کی جسارت ہو گئی (۱۸۷)

دلچسپ لیکن تکلیف دہ حقیقت یہ ہے کہ تمام ایسی روایات جن میں حضورِ اکرم ﷺ کی شان بیان کی گئی ہے' یا آپ ﷺ کی عظمتوں کا ذکر ہے' یا معجزات بیان ہوئے ہیں' ان کے بارے میں تو آج کے "محققین" پوری دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ یہ جھوٹی ہیں مثلاً سب سے پہلے نُورِ محمدی ﷺ کو پیدا کرنے کی روایت یا سب سے پہلے حضور ﷺ کے نور کو اللہ تعالیٰ کے اپنے نور سے پیدا کرنے کی روایت کے بارے میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔ "اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں مجھے پس و پیش ہے"۔ حضور ﷺ کے نُور کے پُشت بہ پُشت منتقل ہونے والی ابن سعد' طبرانی' ابو نعیم اور بزار کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "یہ روایت اعتبار کے قابل نہیں"۔ کسریٰ کے محل میں زلزلہ آنے اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے' نہرِ ساوہ کے خشک ہونے اور فارس کا آتش کدہ ٹھنڈا ہونے کی روایتوں سے بھی انھوں نے انکار کیا ہے۔ گہوارے میں حضورِ اکرم ﷺ کے چاند سے باتیں کرنے کی روایت کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ سند اور متن دونوں لحاظ سے غریب ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شادابی اور خوشحالی آنے کی روایت کو بھی نہیں مانتے۔ اس طرح کی بیسیوں روایتوں کے بارے میں سلیمان ندوی منفی انداز میں سرہلاتے نظر آتے ہیں۔ کسی کے راویوں کو مجہول کہتے ہیں' کسی کا سلسلہ ضعیف اور کمزور بتاتے ہیں' کسی کو بے سند لکھتے ہیں' کسی کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔۔۔ (۱۸۸) لیکن زیرِ نظر روایت میں حضور ﷺ کی توہین کا پہلو غالب ہے' جبریلِ امین؈ کی امانتِ وحی میں خیانت کا خدشہ غالب ہے' اس لیے اس پر اعتراض کی کسی کو ضرورت ہی نہیں پڑی۔

اس سلسلے میں ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ دو مختلف روایات کو غلط ثابت کرنے کے لیے **سید سلیمان ندوی** نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت عباس ؓ آنحضرت سے ایک دو ہی سال بڑے تھے' آنحضرت ﷺ کی شیر خوارگی کے عالم میں وہ خود شیر خوار ہوں گے۔ جب آمنہ (رضی اللہ عنہا) نے وفات پائی تو وہ

سات آٹھ برس کے بچے ہوں گے (۱۸۹) لیکن سید سلیمان ندوی یا کسی اور صاحب کو اس خیال سے حدیثِ عائشہؓ کے وضعی ہونے کی نہیں سُوجھی کہ جب وحی کا نزول شروع ہوا' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔

سید سلیمان ندوی کے استاد علامہ **شبلی نعمانی** کو معراجُ النبی ﷺ کے واقعے میں حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت شان اور عُلُو مرتبت دکھائی دیتی تھی' اس لیے انھوں نے سرے سے اس واقعے ہی کو تسلیم نہیں کیا اور سیرۃ النبی ﷺ (جلد اول) میں اس کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے لیکن اُنھیں' اِنھیں یا کسی اور کو ذرا خیال نہیں آیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب زیرِ نظر روایت بھی "موضوع" ہو سکتی ہے۔ خیال آیا بھی ہو تو اس میں چونکہ سرکارِ دو عالم رحمتِ ہر عالم ﷺ کی عزت و تکریم کے بجائے دُوسرا پہلو نکلتا ہے' اس لیے کسی نے اس کا تجزیہ کرنے کا تردُّد نہیں کیا۔ باقی رہ گئے وہ حضرات' جن کی روٹیاں حضورِ اکرم ﷺ کی محبّت و عقیدت اور عظمت و مقام کے ذکر سے وابستہ ہیں' انھیں تاویلات کے گورکھ دھندے سے نکلنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔

حضرت خدیجہؓ نے تسلّی دی

اُمُّ المُومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب زیرِ نظر روایت میں ہے کہ اُمُّ المُومنین حضرت خدیجہؓ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی۔ کہا' خدا کی قسم! وہ آپ کو کبھی شرمندہ (رسوا / رنجیدہ) نہ کرے گا۔ آپ صلۂ رحم فرمایا کرتے ہیں۔ کمزوروں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' ناداروں کے لیے کماتے ہیں' مہمان نواز ہیں' تکلیفیں برداشت کر کے بھی حق کی مدد کرتے ہیں۔

ہمارے محترم سیرت نگار ان الفاظ سے حضورِ اکرم ﷺ کی تکریم و عزت تو درست طور پر ثابت کرتے ہیں لیکن اس بات کو نہیں سمجھتے کہ ان الفاظ سے امّ المؤمنینؓ کا حضور سید الثقلین ﷺ کو تسلی دینا کیا صرف یہی ظاہر نہیں کرتا کہ آپ ﷺ بہت پریشان تھے'

آپ ﷺ کو اپنی نبوت و رسالت کا یقین نہیں تھا۔ جبریل کے "دیدار" سے آپ ﷺ کو جان کے لالے پڑے ہوئے تھے ۔ ۔ ۔ اور' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے متذکرہ بالا الفاظ بھی آپ ﷺ کی پوری تسلی نہ کر سکے۔ اسی لیے امّ المؤمنینؓ آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ متذکرہ بالا فقرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو تو اپنے نبی ہونے کا کیا یقین ہوتا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کو بھی یقین نہیں تھا۔ وہ بھی حضور ﷺ کے عُلوِ اخلاق کا ذکر فرماتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ایسے اخلاق و کردار کے حامل شخص کو اللہ تعالیٰ کبھی رُسوا (یا شرمندہ) نہیں کرے گا۔

حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل ہوتی ہے تو وہ پریشان نہیں ہوتے' خوف زدگی کا شکار نہیں بنتے' ڈرتے کانپتے نہیں' کسی شک و شبہہ کا خیال ان کے دل میں نہیں آتا۔ حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوتے ہی جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور صاحبِ کتاب نبی ہیں لیکن حضور سیّد الانبیا فخر الرسل ﷺ جبریل کو دیکھ کر' آیاتِ الٰہیہ سُن کر جان کے خوف سے لرز اٹھتے ہیں' شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں' کانپنے لرزنے لگتے ہیں' اور چالیس سال کی مثالی پیغمبرانہ زندگی گزارنے کے بعد بھی آپ ﷺ کو یقین نہیں آتا کہ آپ نبی ہیں۔ پتا نہیں' اس طرح کی روایت امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے منسوب کرنے والے در حقیقت چاہتے کیا ہیں؟

ورقہ بن نوفل

(حواشی صفحہ ۱۳-۱۴ پر)

زیرِ نظر روایت میں ہے کہ "اس کے بعد امّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا حضور اکرم ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعُزّیٰ کے پاس آئیں' وہ عہدِ جاہلیت میں نصرانی (عیسائی) ہو گئے تھے اور عبرانی زبان میں انجیل کو مشیّتِ ایزدی کے مطابق لکھتے ہیں۔ وہ بوڑھے تھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے کہا' بھائی جان! اپنے بھتیجے کی بات سُنیے۔ ورقہ نے کہا' بھتیجے! تمھیں کیا نظر آتا ہے؟ حضور ﷺ نے جو کچھ ملاحظہ فرمایا تھا' ارشاد فرما دیا۔ ورقہ نے

کہا' یہی وہ فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کرتا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔ کاش! میں زندہ رہوں' جب آپ کی قوم آپ کو گھر سے باہر نکال دے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا' کیا میری قوم مجھے وطن سے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا۔ ہاں۔ کوئی بھی ایسا شخص نہیں آیا جو وہ چیز لایا ہو جو آپ لائے ہیں' مگر اس سے ضرور عداوت و عناد کیا گیا۔ اگر وہ وقت میری زندگی میں آیا تو آپ کی پُوری پُوری مدد کروں گا۔

اس میں ہے کہ ورقہ بن نوفل عیسائی ہو گئے تھے اور بُخاری میں ہے کَانَ یَکْتُبُ الْکِتَابَ الْعِبْرَانِیَّ فَیَکْتُبُ مِنَ الْاِنْجِیْلِ بِالْعِبْرَانِیَّۃِ مَاشَاءَ اللّٰہُ یعنی عبرانی زبان میں انجیل کو مشیّتِ ایزدی کے مطابق لکھتے (۱۹۰) **مسلم شریف** میں ہے کہ "عربی لکھنا جانتے تھے تو انجیل کو عربی میں لکھتے تھے جتنا اللہ کو منظور تھا" (۱۹۱) **مشکوٰۃ المصابیح** میں صرف اتنا ہے کہ "پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا آپ (ﷺ) کو ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے چچا زاد بھائی تھے"۔ (۱۹۲)

اس طرح' بخاری میں ہے کہ ورقہ انجیل کو عبرانی میں لکھتے تھے' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سریانی زبان میں اتری تھی۔ **مسلم** میں ہے کہ عربی میں لکھتے تھے اور یہ بات قرینِ قیاس ہے اور **مشکوٰۃ** جو حدیث کا الگ مجموعہ نہیں ہے' اس میں انجیل لکھنے والی بات ہی نہیں ہے۔ بہرحال' یہ بات ہر جگہ نقل کی ہوئی زیرِ نظر روایت کا حصّہ ہے کہ ورقہ عیسائی ہو گئے تھے اور انھوں نے ڈرانے والی اور "اقرأ" کا "حکم" دینے والی ہستی کے بارے میں حضورِ اکرم ﷺ کو بتایا کہ یہ وہی ناموس تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوتا تھا۔ روایت کے اس حصے میں حیران کُن بات یہ ہے کہ ورقہ عیسائی ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے حضرت موسیٰؑ پر وحی آنے کی بات کرتے ہیں۔ کیا یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آنے والا کوئی اور فرشتہ تھا' موسیٰؑ والا نہیں تھا اور جو حضور ﷺ کے پاس غارِ حرا میں آیا' وہ حضرت موسیٰؑ والا تھا؟ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا کوئی اُمتی جو انجیل کو عبرانی یا عربی میں لکھنے میں مصروف تھا' حضرت عیسیٰؑ کے بجائے حضرت موسیٰؑ کا ذکر کرتا۔

محمد ادریس کاندھلوی نے **فتح الباری** کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت خد
رضی اللہ عنھا ایمان لانے کے بعد ورقہ کے پاس گئیں اور ان سے تمام واقعہ بیان کیا
ورقہ نے سُن کر کہا "اگر تو سچ کہتی ہے تو تحقیق ان کے پاس وہی فرشتہ آتا ہے جو عیس
علیہ السلام کے پاس آتا تھا"۔ پھر **فتح الباری** ہی کے حوالے سے کاندھلوی صاحب نے
میسرہ کی ایک مرسل روایت درج کی ہے کہ ورقہ نے حضورِ اکرم ﷺ سے کہا "آپ
بشارت ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی حضرت مسیح بن مریمؑ نے
بشارت دی ہے اور آپ مثل موسیٰ علیہ السلام کے 'نبی مرسل ہیں اور آپ کو عنقریب اللہ
کی طرف سے جہاد کا حکم کیا جائے گا"۔ (۱۹۳)

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے منسوب روایت کے بارے میں یہ
نہیں کہا جاتا کہ اس میں یہ فلاں بات غلط ہے، مگر اس میں خلا محسوس کر کے، دیگر روایتوں
سے اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ **سیرۃ ابنِ اسحاق** میں بھی لکھا ہے کہ
ورقہ نے واقعے کی تفصیلات سننے کے بعد کہا "آپ کو بشارت ہو۔ آپ وہی رسول ہیں جس
کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
طرح نبی ہیں (۱۹۴)

مُلّا معین واعظ کاشفی نے بھی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیھما السلام،
دونوں کا ذکر کروایا ہے (۱۹۵)

مندرجہ بالا حوالوں میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کو بھی شامل کر لیا گیا
ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے منسوب روایت میں
صرف حضرت موسیٰ کا ذکر ہے، حضرت عیسیٰ، کا نہیں۔ اور یہ بات سخت استعجاب کا باعث
ہے کہ ایک عیسائی عالم جبریلؑ کا تعارُف حضرت موسیٰؑ کے حوالے سے کرائیں، حضرت
عیسیٰؑ کا ذکر بھی نہ کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے منسوب زیرِ نظر روایت کے خلاف تو
کوئی نہیں لکھتا لیکن اس کے بیشتر پہلوؤں کو مانتا بھی کوئی نہیں۔ **سیرۃ ابنِ اسحاق** میں

ہے کہ پہلے صرف آوازیں آتی تھیں، اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے حضرت ابوبکر
ؓ کے ساتھ حضورِ اکرم ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس بھیجا۔ جب فرشتہ آ کر چلا گیا تو
حضور ﷺ خود ورقہ کے پاس گئے۔ مترجم رفیع اللہ شہاب نے حاشیے میں اس واقعے کو
"جھُوٹا" کہا ہے (۱۹۶)

امام عبدالرحمان **ابنِ جوزی** نے بھی اسی روایت کو نقل کیا ہے (۱۹۷)

سیرۃ ابنِ ہشام میں ہے کہ فرشتے کے جانے کے بعد جب حضور ﷺ نے
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کو تمام واقعہ سنایا تو وہ اکیلی ورقہ کے پاس گئیں۔ البتہ بعد میں
حضور ﷺ سے ورقہ کی ملاقات کعبۃُ اللہ میں ہوئی (۱۹۸) یہی بات زیادہ تفصیل کے ساتھ
معین واعظ کاشفی نے لکھی ہے (۱۹۹) علامہ قسطلانی نے **دلائل النبوۃ** کے حوالے سے
بیہقی کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ حضرت ابوبکر ؓ کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے
پاس گئے تھے (۲۰۰) سلیمان تیمی اور موسیٰ بن عقبہ کی کتاب **المغازی** کے حوالے سے
محمد ادریس کاندھلوی نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا ورقہ سے پہلے
عدّاس کے پاس گئیں اور انھوں نے جبریلِ امینؑ کے بارے میں کہا کہ وہ اللہ اور اس کے
پیغمبروں کے مابین سفیر ہیں اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے دوست ہیں۔ (۲۰۱)

اس بہت بڑے سوال پر کہ ورقہ بن نوفل نے حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیوں نہ کیا،
صرف حضرت موسیٰؑ پر جبریلؑ کے وحی لانے کی بات کیوں کی، **محمد ابراہیم میر سیالکوٹی**
نے لکھا ہے۔ "ورقہ نے موسیٰؑ کا ذکر کیا اور عیسیٰؑ کا نہ کیا، حالانکہ آپ عیسائی تھے۔ اس کی
وجہیں شارحین حدیث نے کئی ایک بیان کی ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ بہتر ہے جو حافظ
ابنِ کثیر نے اپنی تاریخ کبیر (۲۰۲) میں فرمائی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل شریعت
موسیٰؑ کی معرفت دی گئی تھی اور شریعت عیسوی صرف اس کا تتمہ و تکملہ ہے"۔ (۲۰۳)

شریعت کس کو دی گئی اور کس کی معرفت دی گئی، سوال یہ نہیں ہے۔ سوال یہ
ہے کہ کیا حضرت جبریلؑ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آتے تھے یا نہیں۔ اگر آتے تھے تو ورقہ کو
ان کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔ حضرت موسیٰؑ کا حوالہ دیتے تو بھی حضرت عیسیٰؑ کا ضرور ذکر

کرتے۔ شارحینِ حدیث یا اہلِ سِیَر تاویلیں جتنی چاہیں' کر لیں۔ اس خلا کو محسوس ضرور
کرتے ہیں اور دوسری روایتوں کی مدد سے یا تاویلوں' تشریحوں یا توجیہات کے ذریعے'
حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے منسوب زیرِ نظر حدیث کو درست ثابت کرنے میں مختلف
انداز میں کاوش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اس روایت کے حوالے سے **محمد ادریس کاندھلوی** جس انداز میں اپنے آپ
کو اور قارئین کو تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں' ملاحظہ کیجیے: "حضرت خدیجہ رضی اللہ
عنھا کا حضور پُرنور ﷺ کو کبھی ورقہ کے پاس لے جانا اور کبھی عدّاس کے پاس لے جانا اور
آپ کا حال بیان کرنا' اس سے کسی شک اور تردّد کا ازالہ اور یقین کا حاصل کرنا مقصود نہ تھا
بلکہ حضور (ﷺ) کی تسلی اور تشفّی تھی کہ نزولِ وحی کی وجہ سے جو حضور (ﷺ) پر ایک
خاص خشیت اور دہشت طاری ہے' وہ مُبدّل بہ سکون ہو جائے.... حضرت خدیجہ رضی
اللہ عنھا کو سنتے ہی نبوت کا یقین آ گیا تھا لیکن فرطِ مسرّت اور جوشِ محبت میں مزید اطمینان
کے لیے کبھی آپ (ﷺ) کو ورقہ کے پاس اور کبھی عدّاس کے پاس لے جاتیں.... حضور
(ﷺ) کا مقصد بھی تسلی و تشفی ہی تھا۔ معاذ اللہ! آپ (ﷺ) کو اپنی نبوت و رسالت میں
ذرہ برابر شک اور تردُّد نہ تھا....." (۲۰۴)

قارئینِ کرام ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ ہمارے محدّثین اور سیرت نگار حضرات بھی
کچھ باتوں کی وضاحت اور تاویل کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور یہ ایسی ہی باتیں ہیں کہ
اپنی اصل میں ان کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔ یہ بھی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ وضاحتوں اور
تاویلوں کے بعد بھی اصل روایت کو دیکھا جائے تو وضاحتوں اور تاویلوں سے بات بنتی نظر
نہیں آتی۔

(حواشی صفحہ ۱۱۴ پر)

حضور ﷺ کی ہجرت

پیشِ نظر روایت کے مطابق ورقہ بن نوفل نے بتایا کہ حضورِ اکرم ﷺ کو قوم گھر
سے باہر نکال دے گی اور حضور ﷺ نے اس پر استعجاب کا اظہار کیا۔ اور فرمایا کہ کیا میری

قوم مجھے وطن سے نکال دے گی؟

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ورقہ کو کیسے معلوم تھا کہ ایسا ہو گا اور حضورِ
اکرم ﷺ اس سے کس طرح بے خبر تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کیا واقعی حضورِ اکرم ﷺ
کو قوم نے مکّہ سے نکالا تھا' یا آقا حضور ﷺ نے خود بوجوہ مناسب خیال فرمایا تھا کہ مدینہ'
منورہ کو مرکز بنا کر اسلام کی تبلیغ کی جائے۔ زیرِ نظر روایت سے تو مترشح ہوتا ہے کہ ہجرتِ
مصطفیٰ ﷺ مجبوراً" کی گئی اور لٹ پٹ کر گھر سے نکلنے والے مدینہ میں پناہ گزین ہوئے
تھے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اوپر درج کیے گئے مکالمے کے
بعد جو ورقہ بن نوفل نے انبیاءِ سلف کا اس حوالے سے ذکر فرمایا' کیا حضور ﷺ کی ہجرت
اور انبیاءِ سابقہ کی ہجرت ایک جیسی تھی۔

"ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ کی انفرادیت" کے عنوان سے **شہناز کوثر** لکھتی ہیں۔ "جن
انبیاء و مرسلینؑ نے ہجرت کی بھی ہے' وہ بھی لغوی معنوں میں اپنی سرزمین سے' اپنے اعزّہ
و اقرباء وغیرہ سے علیحدگی تو ہے لیکن کہیں بھی وہ مقصد نظر نہیں آتا جو ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ
کے پیچھے کارفرما ہے۔ حضرت آدمؑ حضرت نوحؑ حضرت لوطؑ اور حضرت صالحؑ کے اسفار کو تو
ہجرت قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔ حضرتِ ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ وغیرہ کا اپنے
چند ساتھیوں کو لے کر چل پڑنا یا ساری قوم کو لے کر دریا/ سمندر عبور کرنا "ہجرت" ہے
بھی تو اسلامی شرعی اصطلاحی معنوں میں نہیں۔

ہمارے آقا و مولا ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کی ہجرت کی
بنیاد' قوم کا دعوت قبول نہ کرنا اور ان کا اہلِ اسلام یا پیغمبرِ اسلام ﷺ کو تنگ کرنا' اور ان
وجوہ سے مکّہ چھوڑ کر مدینہ جا کر پناہ لینا نہیں ہے۔ بلکہ اس جدّوجہد کو' اس جہاد کو حتمی
کامیابی تک پہنچانا ہے جو مکہ میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے ضروری تھا۔
حضور ﷺ کی شریعت میں جہاد کو مرکزی اہمیت حاصل ہے اور اگر کسی وجہ سے جہاد کے
نتیجے میں' فوری طور پر' حاکمیتِ الٰہیہ قائم کرنا مشکل دکھائی دیتا ہو تو ہجرت فرض ہو جاتی
ہے۔ ہجرت کا معنی پناہ حاصل کرنا نہیں' بلکہ اپنی جدّوجہد کو تیز کرنا' اپنے جہاد کی تیاری کو

○ ۳۔ بخاری۔ کتاب الوحی۔ حدیث نمبر ۳
○ ۴۔ عروہ بن زبیر۔ مغازیٔ رسول اللہ ﷺ۔ (مقدمہ و تحقیق: ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی۔ اردو ترجمہ: سعید الرحمان علوی) ادارہ ثقافتِ اسلامیہ' لاہور۔ بار اول ۱۹۸۷ء۔ ص ۱۰۱ تا ۱۰۶
○ ۵۔ طبقاتِ ابنِ سعد۔ جلد اول۔ اخبار النبی ﷺ۔ ص ۲۹۴' ۲۹۵
○ ۶۔ مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تیسری حدیث)
○ ۷۔ سیرتِ ابنِ اسحاق (اردو ترجمہ "کتاب السیر والمغازی" از رفیع اللہ شہاب) ص ۱۹۸ تا ۲۰۱ / نقوش۔ رسول ﷺ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۲۱۔۱۲۳ (سیرۃ ابنِ اسحاق مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی۔ تحقیق و تعلیق: ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ اردو ترجمہ: نور الٰہی ایڈووکیٹ)
○ ۸۔ نقوش۔ رسول ﷺ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۳۲ / سیرتِ ابنِ اسحاق۔ ص ۲۱۳
○ ۹۔ سیرۃ ابنِ ہشام۔ ص ۱۳۱' ۱۳۲
○ ۱۰۔ تاریخ طبری (تاریخ الامم والملوک) جلد اول (سیرۃ النبی ﷺ و خلافتِ راشدہ) ص ۷۲' ۷۳
○ ۱۱۔ ابنِ حزم ظاہری۔ جوامع السیرۃ۔ ص ۷۷
○ ۱۲۔ جامی' نور الدین عبد الرحمٰن' شواہد النبوۃ۔ ص ۸۵' ۸۶
○ ۱۳۔ سلمان منصور پوری' قاضی محمد سلیمان۔ رحمۃٌ للعالمین ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۴۷
○ ۱۴۔ مصباح الدین شکیل' شاہ۔ سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ (ظہورِ قدسی سے مسجدِ قبا تک) ص ۲۶۷' ۲۶۸
○ ۱۵۔ سیرۃ سرورِ انبیا ﷺ۔ ص ۷۵' ۷۶
○ ۱۶۔ قسطلانی' محمد بن ابی بکر الخطیب۔ المواہب اللدنیہ (اردو ترجمہ بعنوان سیرۃ محمدیہ ﷺ) ص ۳۰۲' ۳۰۳
○ ۱۷۔ ابنِ جوزی' عبد الرحمان۔ الوفا باحوالِ المصطفیٰ ﷺ۔ ۱۹۹۔۲۰۲
○ ۱۸۔ عبد الحق محدث دہلوی' شیخ۔ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۹' ۵۰ / عبد الصمد رحمانی۔ حیاتِ پیغمبرِ اعظم ﷺ۔ ص ۸۲
○ ۱۹۔ ہیکل' محمد حسین۔ حیاتِ محمد ﷺ (اردو ترجمہ از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی) ص ۱۳۸' ۱۳۹
○ ۲۰۔ فاروق' ایم ڈی۔ تاریخِ محمد ﷺ۔ ص ۲۳۱' ۲۳۲
○ ۲۱۔ غلام ربانی عزیز' پروفیسر ڈاکٹر۔ سیرتِ طیبہ۔ جلد اول۔ ص ۸۸ / سعید اختر' پروفیسر۔ سید المرسلین ﷺ۔ ص ۴۱ / برکت علی۔ سیرتِ حبیب ﷺ۔ ص ۳۸ / عبد الاحد خاں۔ رہبرِ کامل ﷺ۔ مطبوعہ دہلی۔ ص ۱۵
○ ۲۲۔ عبد اللہ خاں' پروفیسر۔ خطباتِ نبوی ﷺ۔ ۱۹۲۴ء۔ ص ۲۹ (انھوں نے لکھا ہے کہ ورقہ کے علاوہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس کے پاس بھی گئی تھیں) / نواب علی' قاضی۔ رسولِ اکرم ﷺ۔ ص ۳۹
○ ۲۳۔ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی ﷺ۔ جلد اول۔ "آفتابِ رسالت کا طلوع"
○ ۲۴۔ الانوار المحمدیہ' امام قسطلانی کی کتاب "المواہب اللدنیہ" کی تلخیص ہے جو علامہ یوسف بن

حتمی صورت دے کر واپس مُڑنا اور مکّہ فتح کرنا تھا۔

انبیاءِ سلف کے نزدیک یہ مقصد نہ رہا ہے' نہ اس کے مطابق انھوں نے جہاں سے ہجرت کی تھی' وہاں واپس جا کر اللہ کی حاکمیت کے احکام و قوانین نافذ کرنے کی راہ اختیار کی ہے۔ اسلام میں ہجرت مجبوری لاچاری کے تحت' یا پناہ گزینی کے لیے نہیں ہے"۔ (۲۰۵)

لیکن زیرِ نظر روایت میں ورقہ بن نوفل کا بیان حضور ﷺ کی ہجرت کو مجبوری اور پناہ گزینی قرار دیتا ہے۔ اگر وہ اتنے ہی عالم تھے کہ حضور ﷺ کو جن باتوں کا علم نہیں ہوتا' وہ ان باتوں کو بھی جانتے تھے تو انھیں ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ کی غرض و غایت بھی معلوم ہونی چاہیے تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں زیرِ نظر روایت کی ایک ایک بات حضور باعثِ تخلیقِ کائنات' فخرِ موجودات علیہ السّلام والصّلوٰۃ کی عظمت و تکریم کے منافی' آپ ﷺ کی شان سے فروتر ہے' وہاں ہجرت کے معاملے میں بھی حضورِ اکرم ﷺ کو مجبوری' کسمپرسی' مظلومیت کا مجسمہ قرار دینے کے لیے ورقہ بن نوفل کے منہ میں یہ بات ڈالی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

حدیثِ عائشہؓ

حواشی

○ ۱۔ بخاری۔ کتاب الوحی۔ حدیث نمبر ۳ (ترجمہ از مولانا عبد الرزاق) ناشران قرآن' لاہور۔ ص ۸۔۱۰
○ ۲۔ مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب بدء الوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (پہلی حدیث) / مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ باب المبعث و بدء الوحی۔ حدیث نمبر ۵/ ۵۵۹۱

حدیثِ عائشہؓ اور اہلِ سیَر

اسماعیل نبہانی نے کی۔

○ ۲۵۔ طاہر القادری' پروفیسر محمد۔ سیرۃ الرسول ﷺ۔ جلد سوم۔ ص ۲۲۷۔ ۲۳۳

○ ۲۶۔ عبداللہ خاں۔ خطباتِ نبوی ﷺ۔ ص ۲۸' ۲۹

○ ۲۷۔ معین الدین احمد ندوی' شاہ۔ تاریخ اسلام۔ جلد اول (عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ) ص ۲۱'
۲۲

○ ۲۸۔ احمد حسین خاں' نواب۔ تاریخ احمدی ﷺ۔ ص ۱۲' ۱۳

○ ۲۹۔ معین واعظ کاشفی' ملّا۔ معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۲۰۸' ۲۰۹

○ ۲۹۔ الف۔ محمد شریف' راجا۔ حیاتِ رسالت مآبؐ۔ ص ۹۵۔ ۹۹

○ ۳۰۔ امین احسن اصلاحی۔ تدبّرِ قرآن۔ جلد ۹۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۳۵۹' ۳۶۰

نازل ہونے والی پہلی آیات

○ ۳۱۔ آزاد' ابو الکلام۔ رسولِ رحمت ﷺ۔ (مرتبہ غلام رسول مہر) ص ۱۰۰

○ ۳۲۔ حاشیہ نمبر ۲۱

○ ۳۳۔ مغازیٔ رسول اللہ ﷺ۔ ص ۱۰۳ / سیرۃ ابن اسحاق۔ ص ۱۹۸ / سیرۃ ابن ہشام۔ ص ۱۳۱ / طبقاتِ ابن سعد۔ جلد اول۔ اخبارُ النبی ﷺ۔ ص ۳۹۵ / المواہبُ اللدنیہ۔ جلد اول۔ ص / الوفا باحوالِ المصطفیٰ ﷺ۔ ص ۱۹۸ / معارج النبوت فی مدارج الفتوت۔ ص ۲۰۹' ۲۱۰ / مدارج النبوت۔ ص ۳۹ / سیرتِ نبوی ﷺ۔ ص ۵۳ / شواہدُ النبوۃ۔ ص ۸۶ / حیاتِ محمد ﷺ۔ ص ۱۳۸ / سیرۃ المصطفیٰ ﷺ۔ ص ۲۱۷ / سیرۃُ النبی ﷺ (شبلی) ص ۱۳۲ / رحمۃٌ للعالمین ﷺ۔ ص ۴۸' ۴۹ / سیرتِ سرورِ عالم ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۲ / سیرۃُ المصطفیٰ ﷺ (ادریس کاندھلوی) ص ۱۵ / ضیاء النبی ﷺ جلد دوم۔ ص ۱۹۰ / رسولِ مبین ﷺ۔ ص ۲۶۳ / الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۸ / نبیٔ رحمت ﷺ۔ ص ۱۱۶ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۲۶۷ / تاریخ احمدی ﷺ۔ ص ۱۲ / حیاتِ پیغمبرِ اعظم ﷺ۔ ص ۸۳ / خطباتِ نبوی ﷺ۔ ص ۲۸ / حیاتِ طیبہ۔ ص ۳۶ / رسولِ اکرم ﷺ۔ ص ۳۹

○ ۳۴۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ۔ ص ۱۰۷ / سیرۃ سرورِ انبیا ﷺ۔ ص ۷۷ / سرورِ عالم ﷺ۔ ص ۵۳

○ ۳۵۔ جوامع السیرۃ۔ ص ۷۷

○ ۳۶۔ سیرۃ طیبہ۔ جلد اول۔ ص ۸۸ / تاریخ اسلام۔ جلد اول۔ ص ۲۱ / رہبرِ کامل ﷺ۔ ص ۱۹

○ ۳۷۔ سیرتِ حبیب ﷺ۔ ص ۱۳۸

○ ۳۸۔ تاریخ طبری۔ حصہ اول۔ ص ۷۳

○ ۳۹۔ امیر افضل خاں۔ حضورِ پاک ﷺ کا جلال و جمال۔ ص ۱۳۸

○ ۴۰۔ تدبّرِ قرآن۔ جلد ۹۔ ص ۳۵۹' ۳۶۰

○ ۴۱۔ آزاد' ابو الکلام۔ رسولِ رحمت ﷺ۔ ص ۹۷

رؤیائے صالحہ

○ ۴۲۔ بخاری شریف۔ کتاب التعبیر۔ باب الرویاء الصالحہ۔ حدیث نمبر ۶۵۰۶

○ ۴۳۔ محمد شریف' راجا۔ حیاتِ رسالتمآب ﷺ۔ ص ۹۷

○ ۴۴۔ فتح الباری۔ جلد اول (الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۷ / ضیاء النبی ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۲۰۶)

جبلِ نُور اور غارِ حرا

○ ۴۵۔ حمید اللہ' ڈاکٹر محمد۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۸۸ / الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۶ / سیرتِ طیبہ۔ جلد اول۔ ص ۸۷ / پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ۔ ص ۲۷۲ / حیاتِ رسالتمآب ﷺ۔ ص ۹۵ / ضیاء النبی ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۷ (انھوں نے غار کی چوڑائی دو گز لکھی ہے) / سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ۔ ظہورِ قدسی سے مسجدِ قبا تک (جلد اول) ص ۲۶۳ / سیرۃ النبی ﷺ البم۔ ص ۵۰ / میرے حضور ﷺ کے دیس میں۔ ص ۳۵

○ ۴۶۔ تمنا' محمد صدیق۔ زیاراتِ مقاماتِ مقدسہ۔ پنڈ دادن خاں ضلع جہلم۔ ص ۵۴

○ ۴۷۔ ثمر' عبدالکریم۔ سفرِ حجاز۔ ص ۱۳

○ ۴۸۔ ایچ بی خان' ڈاکٹر۔ کراچی سے گنبدِ خضرا تک۔ ص ۱۰۰

○ ۴۹۔ الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۹ / ممتاز ظافر۔ منزل۔ ص ۱۸۳

○ ۵۰۔ منظور احمد شاہ' ابو النصر۔ حضُور الحرمین۔ ص ۳۸

○ ۵۱۔ عبد' پروفیسر عبدالرحمان۔ آنحضور ﷺ کے نقشِ قدم پر: حرم تک۔ ص ۱۳۸

○ ۵۲۔ مصباح الدین شکیل' شاہ۔ سیرۃُ النبی ﷺ البم۔ ص ۳۹ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ۔ ظہورِ قدسی سے مسجدِ قبا تک۔ ص ۲۶۳

○ ۵۳۔ سلمان منصور پوری' قاضی محمد سلیمان۔ سفرنامۂ حجاز (تاریخ الحرمین) ص ۸۹

○ ۵۴۔ صادق قریشی۔ پھر سُوئے حرم۔ ص ۸۳

○ ۵۵۔ معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۲۰۴

تحنُّث' تعبُّد یا تفکّر و تدبُّر

○ ۵۶۔ ضیاء النبی ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۸ (عمدۃ القاری۔ جلد اول۔ ص ۵۵)

○ ۵۷۔ شبیر احمد عثمانی۔ فضل الباری (شرح اردو صحیح بخاری) مطبوعہ کراچی۔ ص ۱۹۳

○ ۵۸۔ ابن کثیر' ابی الحسن علی الجزری۔ اُسُد الغابہ فی معرفت الصحابہؓ۔ جلد اول۔ ص ۲۱

○ ۵۹۔ ضیاء النبی ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۹ عمدۃ القاری)

○ ۶۰۔ حاشیہ نمبر ۱

○ ۶۱۔ طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر محمد۔ سیرۃ الرسول ﷺ۔ جلد سوم۔ ص ۲۳۰، ۲۳۱

○ ۶۲۔ سیرۃ ابنِ اسحاق۔ ص ۱۹۷

○ ۶۳۔ طبقات ابنِ سعد۔ حصہ اول۔ ص ۳۶۳

○ ۶۴۔ تاریخ طبری۔ حصہ اول۔ ص ۴۷

○ ۶۵۔ الوفا باحوالِ المصطفیٰ ﷺ۔ ص ۱۹۸

○ ۶۶۔ سیوطی، امام جلال الدین۔ الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول۔ ص ۱۷۱ / جمال حسینی۔ روضۃ الاحباب (اردو ترجمہ بعنوان رسالت مآب ﷺ۔ ص ۳۷ / سلمان منصور پوری۔ رحمتہ للعالمین ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۳۶ / الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۹

○ ۶۷۔ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی ﷺ۔ جلد اول

○ ۶۸۔ سیرتِ سرورِ عالم ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۲

○ ۶۹۔ نقوش۔ رسول ﷺ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۴۷۶ (مضمون "فخرِ موجودات : آنحضرت ﷺ کی کی زندگی" از ابو الجلال ندوی)

غارِ حرا میں اشیاءِ خورد و نوش

○ ۷۰۔ سلمان منصور پوری۔ رحمتہ للعالمین ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۳۶، ۴۷

○ ۷۱۔ حاشیہ نمبر۱

○ ۷۲۔ الوفا باحوالِ المصطفیٰ ﷺ۔ ص ۱۹۸

○ ۷۳۔ طبقات ابنِ سعد۔ حصہ اول۔ ص ۳۶۳

○ ۷۴۔ شہناز کوثر۔ حضور ﷺ کی رشتہ دار خواتین۔ ص ۱۷۲، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۰

○ ۷۵۔ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۸

○ ۷۶۔ سیرتِ طیبہ۔ جلد اول۔ ص ۸۸

○ ۷۷۔ الرحیق المختوم۔ ص ۷۹

○ ۷۸۔ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب۔ مختصر سیرۃ الرسول ﷺ۔ ص ۲۹

○ ۷۹۔ سیرتِ سرورِ عالم ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۲

کیا حضرت خدیجہؓ حضور ﷺ کا معاشی سہارا تھیں؟

○ ۸۰۔ شہناز کوثر۔ حضور ﷺ کی معاشی زندگی (۱۹۹۴ میں صدارتی ایوارڈ پانے والی کتاب) ص ۷۹، ۸۰

○ ۸۱۔ معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۸

○ ۸۲۔ نور محمد غفاری، ڈاکٹر۔ نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی۔ ص ۸۶، ۱۰۷، ۱۰۸

○ ۸۳۔ خاتونِ پاکستان (ماہنامہ) کراچی۔ رسول ﷺ نمبر ۱۹۹۳۔ ص ۲۱۲ (خالد وحید سیمنی کا مضمون)

○ ۸۴۔ حالات (روزنامہ) لاہور۔ (نوجوانوں کے لیے ماہانہ ایڈیشن) ۱۰ ستمبر ۱۹۸۸۔ ص ۲

○ ۸۵۔ پرویز (غلام احمد)۔ معراجِ انسانیت۔ ص ۳۶۰

○ ۸۶۔ فیض الاسلام (ماہنامہ) راولپنڈی۔ ستمبر ۱۹۹۲۔ ص ۲۵ (ضیاء الدین کرمانی کی کتاب کا اقتباس۔ ترجمہ از اختر ہاشمی)

○ ۸۷۔ محمد انور مدنی، کرنل (ر)۔ انوار والضحیٰ۔ ص ۲۵، ۲۶

○ ۸۸۔ شہناز کوثر۔ حضور ﷺ کی معاشی زندگی۔ ص ۸۶۔ ۹۰

○ ۸۹۔ مسلم شریف۔ کتاب الحج۔ باب حجۃ النبی ﷺ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کی روایت کردہ طویل حدیث

○ ۹۰۔ سنن ابو داؤد۔ کتاب النکاح۔ باب فی حق المراۃ علی زوجھا۔ حدیث نمبر ۳۷۶

○ ۹۱۔ بنت الاسلام۔ اسوۂ حسنہ۔ حصہ سوم۔ ص ۳۷

○ ۹۲۔ ابنِ اثیر۔ اسد الغابہ فی معرفتِ الصحابہؓ۔ جلد ۱۰۔ ص ۱۳۱ / سِیَرُ الصحابہؓ۔ جلد ۱۔ اسوۂ صحابیاتؓ از عبدالسلام ندوی۔ ص ۱۲، ۳۶ / نیاز فتحپوری۔ صحابیاتؓ۔ ص ۳۳۰ / طالب الہاشمی۔ تذکارِ صحابیاتؓ۔ ص ۳۳۷، ۳۳۸

○ ۹۳۔ الوفا باحوالِ المصطفیٰ ﷺ۔ ص ۶۳۶

○ ۹۴۔ بخاری۔ کتاب الصدقہ۔ باب ما یذکر فی صدق

○ ۹۵۔ ایضاً" / راجا رشید محمود۔ حضور ﷺ اور بچے۔ ص ۲۸ / صدائے اسلام (ماہنامہ) پشاور۔ صفر ۱۴۰۰ھ۔ ص ۱۸

○ ۹۶۔ الوفا۔ ص ۴۳

○ ۹۷۔ جمال حسینی۔ روضۃ الاحباب۔ (اردو ترجمہ بعنوان "رسالت مآب ﷺ" (ص ۳۳۶

○ ۹۸۔ جوزی، ابنِ قیم۔ ہدی الرسول ﷺ (اردو ترجمہ بعنوان "اسوۂ حسنہ" از عبدالرزاق ملیح آبادی) ص ۱۱، ۱۱۲

○ ۹۹۔ شہناز کوثر۔ حضور ﷺ کی معاشی زندگی۔ ص ۱۰۶، ۱۰۷

فرشتے کی غار میں آمد

○ ۱۰۰۔ سیرۃ ابنِ اسحاق۔ ص ۱۹۸

○ ۱۰۱۔ سیرۃ ابنِ ہشام۔ ص ۱۳۱

○ ۱۰۲۔ معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۲۰۸

○ ۱۰۳۔ ہیکل، محمد حسین۔ حیاتِ محمد ﷺ۔ ص ۱۳۸

○ ۱۰۴۔ فاروق، ایم ڈی۔ تاریخ محمد ﷺ۔ ص ۲۳۱

○ ۱۰۵- تاریخِ احمدی ﷺ- ص ۱۲

اِقْرَاْ

○ ۱۰۶- امین احسن اصلاحی- تدبرِ قرآن- جلد ۹- مطبوعہ لاہور- ص ۴۵۳

○ ۱۰۷- ادریس کاندھلوی، محمد- سیرۃ المصطفیٰ ﷺ- جلد اول- ص ۱۳۳ / معارج النبوت- جلد دوم- ص ۲۰۸ (اردو ترجمہ) / طاہر القادری، محمد- سیرۃ الرسول ﷺ- جلد سوم- ص ۲۳۰ / محمد رضا، شیخ- محمدؐ رسول اللہ ﷺ (اردو ترجمہ از عادل قدوسی) ص ۱۰۶ / ہادیٔ اعظم ﷺ- ص ۱۰۰ / المواہب اللدنیہ (اردو ترجمہ بعنوان سیرۃ محمدیہ ﷺ- ص ۱۹۹ / غلام ربانی عزیز، پروفیسر- سیرتِ طیبہ- ص ۸۸ / ضیاء النبی ﷺ- جلد دوم- ص ۱۹۰ / ابو الحسن علی ندوی- نبیٔ رحمت ﷺ- ص ۱۱۹ / جعفر شاہ پھلواروی- پیغمبرِ انسانیت ﷺ- ص ۹۰ / محمد میاں صدیقی- خطباتِ رسول ﷺ- ص ۳۱ / سیرۃ سرورِ انبیا ﷺ- ص ۴۲ / عبد الصمد رحمانی- حیاتِ پیغمبرِ اعظم ﷺ- ص ۸۲ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ- جلد اول- ص ۲۲۶ / وصی الدین، کرنل- جمالِ سیرت- ص ۵۶ / عبد المقتدر- محمدؐ رسول اللہ ﷺ- ص ۵۴

○ ۱۰۸- ہیکل، محمد حسین- حیاتِ محمد ﷺ- ص ۱۳۸ / تاریخِ محمد ﷺ- ص ۲۳۱

○ ۱۰۹- پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ- ص ۲۹۰ / شریف قاضی، محمد- اُسوۂ حسنہ- ص ۵۱ / تاریخِ طبری- جلد اول- ص ۷۲ / مودودی، ابو الاعلیٰ- سیرتِ سرورِ عالم ﷺ- ص ۱۳۲، ۱۳۹ / برکت علی- سیرتِ حبیب ﷺ- ص ۱۳۸ / مصطفیٰ سباعی، ڈاکٹر- سیرتِ نبوی ﷺ- ص ۵۲ / سیرۃ ابنِ ہشام- ص ۱۳۱ / توکلی، نور بخش- سیرتِ رسولِ عربی ﷺ- ص ۴۲ / تاریخِ احمدی ﷺ- ص ۱۲ / الوفا باحوالِ المصطفیٰ ﷺ- ص ۱۹۸ / عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب- مختصر سیرۃ الرسول ﷺ- ص ۱۳۹ / الرحیق المختوم- ص ۱۱۸

○ ۱۱۰- افضل حق، چودھری- محبوبِ خدا ﷺ- ص ۳۸ / عبد الحی- حیاتِ طیبہ- ص ۳۶ / صالح نقشبندی، محمد- سرورِ عالم ﷺ- ص ۵۲ / ابنِ حزم ظاہری- جوامع السیرۃ (اردو ترجمہ) ص ۷۷ / نقوش- رسول ﷺ نمبر- جلد ۲- ص ۴۷۸ (ابو الجلال ندوی کا مضمون) / خالد محمد خالد- حیاتِ رسول ﷺ کے دس دن- ص ۳۰ / عبد اللہ خاں- خطباتِ نبوی ﷺ- ص ۲۸ / عطاء اللہ خاں عطا- رحمتِ دو عالم ﷺ- ص ۸۷ / محمد اشرف، عبد المصطفیٰ ﷺ- سیرتِ سید المرسلین ﷺ- جلد دوم- ص ۵ / سلیمان ندوی، سید- سیرۃ النبی ﷺ- جلد سوم- ص ۱۹۶

○ ۱۱۱- سلیمانی، احسان الحق- رسولِ مبین ﷺ- ص ۲۶۱

○ ۱۱۲- مودودی، ابو الاعلیٰ- سیرتِ سرورِ عالم ﷺ- جلد دوم- ص ۱۳۵

○ ۱۱۳- ایضاً- ص ۱۰۶

○ ۱۱۴- ایضاً- ص ۱۰۷

○ ۱۱۵- شبلی نعمانی- سیرۃ النبی ﷺ- جلد اول

○ ۱۱۵ (الف)- سیرۃ طیبہ- جلد اول- ص ۸۸

مَآ اَنَا بِقَارِیٍٔ

○ ۱۱۵ (ب)- ادریس کاندھلوی- سیرۃ المصطفیٰ ﷺ- جلد اول- ص ۱۳۳ / عبد الحی- حیاتِ طیبہ- ص ۳۶ / سیرتِ حبیب ﷺ- ص ۱۳۸ / سیرۃ ابنِ ہشام- ص ۱۳۱ / سیرتِ رسولِ عربی ﷺ- ص ۴۲ / الوفا- ص ۱۹۸ / نبیٔ رحمت ﷺ- ص ۱۱۹ / سیرۃ سرورِ انبیاء ﷺ- ص ۴۲ / الرحیق المختوم- ص ۱۱۸

○ ۱۱۶- پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ- ص ۲۹۰ / سیرتِ سرورِ عالم ﷺ- جلد دوم- ص ۱۳۲، ۱۳۹ / سرورِ عالم ﷺ- ص ۵۲ / جعفر شاہ پھلواروی- پیغمبرِ انسانیت ﷺ- ص ۹۰

○ ۱۱۷- معارج النبوت- جلد دوم- ص ۲۰۸ / جوامع السیرۃ- ص ۷۷

○ ۱۱۸- رسولِ مبین ﷺ- ص ۲۶۱ / تاریخِ طبری- جلد اول- ص ۷۲ / المواہب اللدنیہ- جلد اول- ص ۱۹۹ / مصطفیٰ سباعی- سیرتِ نبوی ﷺ- عبد المقتدر- محمدؐ رسول اللہ ﷺ- ص ۵۴

○ ۱۱۹- جعفر سبحانی- فروغِ ابدیت- ص ۱۳۵

○ ۱۲۰- محمد رضا، شیخ- محمدؐ رسول اللہ ﷺ- ص ۱۰۶ / ثواب علی، قاضی- رسولِ اکرم ﷺ- ص ۳۸

○ ۱۲۱- عبد المصطفیٰ اعظمی- سیرتِ مصطفیٰ ﷺ- ص ۸۹ / ضیاء النبی ﷺ- جلد دوم- ص ۱۹۰

○ ۱۲۲- افضل حق، چودھری- محبوبِ خدا ﷺ- ص ۳۸

○ ۱۲۳- ہادیٔ اعظم ﷺ- ص ۱۰۰ / غلام ربانی عزیز- سیرۃ طیبہ، جلد دوم- ص ۸۸ / محمد میاں صدیقی- خطباتِ رسول ﷺ- ص ۳۱ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ- جلد اول- ص ۲۲۶ / مختصر سیرۃ الرسول ﷺ- ص ۱۳۹

○ ۱۲۴- ولی رازی- ہادیٔ عالم ﷺ- ص ۷۹

○ ۱۲۵- المواہب اللدنیہ- جلد اول- ص ۱۹۹ / نقوش- رسول ﷺ نمبر- جلد ۲- ص ۴۷۸

○ ۱۲۶- عبد اللہ خاں- خطباتِ نبوی ﷺ- ص ۲۸

○ ۱۲۷- آزاد، ابو الکلام- رسولِ رحمت ﷺ- ص ۸۵، ۸۶

○ ۱۲۸- عبد الصمد رحمانی- حیاتِ پیغمبرِ اعظم ﷺ- ص ۸۲

○ ۱۲۹- معارج النبوت- جلد دوم- ص ۲۰۹

○ ۱۳۰- مدارج النبوت- جلد دوم- ص ۳۸

○ ۱۳۱- ضیاء النبی ﷺ- جلد دوم- ص ۱۹۰، ۱۹۱

○ ۱۳۲- سیرۃ المصطفیٰ ﷺ- جلد اول- ص ۱۳۴

○ ۱۳۳- الوفا باحوالِ المصطفیٰ ﷺ (اردو ترجمہ) حاشیہ از مولانا محمد اشرف سیالوی- ص ۱۹۸

فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ

○ ۱۳۴- ابراہیم میر سیالکوٹی- سیرۃ المصطفیٰ ﷺ- ص ۴۳ ("ابتدائے وحی")

○ ۱۳۵۔ تاریخ طبری۔ جلد اول۔ ص ۷۲ / سیرۃ ابن ہشام۔ ص ۱۳۱ / مختصر سیرۃ الرسول ﷺ۔ ص ۱۲۹ / حیاتِ محمد ﷺ۔ ص ۱۳۸ / ادریس کاندھلوی۔ سیرۃ المصطفیٰ ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۳ / پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ۔ ص ۳۶۰ / معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۰۸ / فروغِ ابدیت۔ ص ۱۳۵ / سیرۃ الرسول ﷺ۔ جلد سوم۔ ص ۲۳۱ / محمد رضا، شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ۔ ص ۱۰۶ / عبد المصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ۔ ص ۸۹ / سیرتِ سرورِ عالم ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۲ / حیاتِ طیبہ۔ ص ۴۶ / ہادیِ اعظم ﷺ۔ ص ۱۰۰ / سیرتِ حبیب ﷺ۔ ص ۳۸ / المواہب اللدنیہ۔ جلد اول۔ ص ۱۹۹ / سیرتِ نبوی ﷺ۔ ص / ہادیِ اعظم ﷺ۔ ص ۶۹ / سیرتِ رسولِ عربی ﷺ۔ ص ۷۲ / جوامع السیرۃ۔ ص / نقوش۔ رسول ﷺ نمبر۔ جلد دوم۔ ص ۴۷۸ / الوفا۔ ص ۱۹۸ / ضیاء النبی ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۰ / حیاتِ رسول ﷺ کے دس دن۔ ص ۴۰ / خطباتِ نبوی ﷺ۔ ص ۲۸ / نبیؐ رحمت ﷺ۔ ص ۷۶ / پیغمبرِ انسانیت۔ ص ۹۰ / خطباتِ رسول ﷺ۔ ص ۳۱ / حیاتِ رسول ﷺ۔ ص ۱۸ / عبد الصمد خان۔ حیاتِ پیغمبرِ اعظم ﷺ۔ ص ۸۲ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۳۶۶ / الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۸ / جمالِ سیرت۔ ص ۵۶ / رسولِ اکرم ﷺ۔ ص ۳۸ / سلیمان ندوی، سید۔ سیرۃ النبی ﷺ۔ جلد سوم۔ ص ۱۹۶

○ ۱۳۶۔ عبد المقتدر فاضل فتحپوری۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ۔ ص ۵۳

○ ۱۳۷۔ محمد رضا۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ۔ ص ۳۹ / شرافت نوشاہی، سید شریف احمد۔ شریف التواریخ۔ جلد اول۔ ص ۱۸۰ / ساجد الرحمان۔ سیرتِ رسول ﷺ۔ ص ۹ / عبد الشکور۔ ذکرِ حبیب ﷺ۔ ص ۵۸، ۵۹

○ ۱۳۸ (الف)۔ تفسیرِ عزیزی۔ پارہ ۳۰۔ ص ۳۳۸

○ ۱۳۸ (ب) الوفا باحوالِ المصطفیٰ ﷺ۔ ص ۲۰۳۔ ترجمہ از محمد اشرف سیالوی

○ ۱۳۸۔ الدر المنثور۔ ص ۳۸، ۳۹ / تواریخِ حبیبِ الٰہ۔ ص ۱۸

○ ۱۳۹۔ محمد رضا۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ۔ ص ۳۹

○ ۱۴۰۔ سلیمان ندوی، سید۔ سیرۃ النبی ﷺ۔ جلد سوم۔ ص ۳۶۹

○ ۱۴۱۔ جعفر شاہ پھلواروی۔ پیغمبرِ انسانیت ﷺ۔ ص ۷

○ ۱۴۲۔ سلیمان ندوی، سید۔ سیرۃ النبی ﷺ۔ جلد سوم۔ ص ۲۶۷

○ ۱۴۳۔ عزیز قاضی، عزیز احمد۔ حکمۃ القرآن۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۲

○ ۱۴۴۔ سلیمانی، احسان الحق۔ رسولِ مبین ﷺ۔ ص ۲۶۱

تلاوتِ آیاتِ علق

○ ۱۴۵۔ القرآن المجید۔ فوائدِ سلفیہ المسمّٰی بہ اشرف الحواشی۔ ترتیب: محمد عبدہٗ الفلاح۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۷۱۳

○ ۱۴۶۔ تدبرِ قرآن۔ جلد ۹۔ ص ۴۵۹

○ ۱۴۷۔ نذیر احمد دہلوی، ڈپٹی۔ تفسیرِ غرائب القرآن۔ ص ۱۱۰

○ ۱۴۸۔ قرآن مجید مع تفسیر رفائی۔ سید محمد رفائی عرب۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۷۲۲

○ ۱۴۹۔ ادریس کاندھلوی، محمد۔ معارف القرآن۔ جلد ہفتم۔ ص ۷۳

○ ۱۵۰۔ محمد شفیع، مفتی۔ معارف القرآن۔ جلد ہشتم۔ ص ۲۸۲

○ ۱۵۱۔ القرآن الکریم۔ تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی۔ ص ۱۲۰۸

○ ۱۵۲۔ اشرف علی تھانوی۔ بیان القرآن۔ جلد ۱۲۔ مطبع مجتبائی لاہور۔ ص ۱۰۸

○ ۱۵۳۔ القرآن الحکیم۔ مع ترجمہ و تفسیر مولانا عبد الماجد دریا بادی۔ ص ۱۲۰۲

○ ۱۵۴۔ تفہیم القرآن۔ جلد ششم۔ ص ۳۹۳

○ ۱۵۵۔ ضیاء القرآن۔ جلد۔ ص ۹۱

○ ۱۵۶۔ القرآن المبین تفسیر المتقین۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۷۸۹

○ ۱۵۷۔ القرآن الحکیم۔ ترجمہ و تفسیر حافظ سید فرمان علی۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۷۸۸، ر

یَرْجُفُ فُؤَادُهٗ

○ ۱۵۸۔ صحیح بخاری شریف۔ اردو ترجمہ از عبد الرزاق۔ جلد اول۔ ناشران قرآن، لاہور۔ ص ۹

○ ۱۵۹۔ بخاری شریف مترجم۔ اردو ترجمہ از اختر شاہجہانپوری۔ حامد اینڈ کمپنی، لاہور۔ ص ۹۵ / مشکوٰۃ شریف (عربی اردو) فرید بک سٹال لاہور۔ جلد سوم۔ کتاب الفتن۔ ص ۱۳۵

○ ۱۶۰۔ صحیح مسلم شریف۔ اردو ترجمہ از وحید الزمان۔ خالد احسان پبلشرز، لاہور۔ جلد اول۔ کتاب الایمان۔ ص ۳۷۳

○ ۱۶۱۔ سیرتِ نبوی ﷺ۔ ص ۵۳ / خطباتِ نبوی ﷺ۔ ص ۲۸ / نبیؐ رحمت ﷺ۔ ص ۱۲۹ / الوفا باحوالِ المصطفیٰ ﷺ۔ ص ۱۹۸ / سیرۃ سرورِ انبیاء ﷺ۔ ص ۴۷ / عبد الصمد رحمانی۔ حیاتِ پیغمبرِ اعظم ﷺ۔ ص ۸۲ / مختصر سیرۃ الرسول ﷺ۔ ص ۷۹ / الرحیق المختوم۔ ص ۱۱۸ / حیاتِ محمد ﷺ۔ ص ۱۳۸ / تاریخِ محمد ﷺ۔ ص ۲۳۱ (محمد حسین ہیکل کے ترجمے کو لفظ بہ لفظ نقل کیا ہے) / سیرتِ سرورِ عالم ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۲ / اسوۂ حسنہ۔ ص ۵۱ / حیاتِ طیبہ۔ ص ۴۶ / سرورِ عالم ﷺ۔ ص ۵۲ / ہادیِ عالم ﷺ۔ ص ۶۹ / سیرۃ رسولِ عربی ﷺ۔ ص ۷۲ / سیرۃ طیبہ۔ ص ۸۸ / ضیاء النبی ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۰ / رحمتِ دو عالم ﷺ۔ ص ۸۷ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۳۶۹ / محمد اشرف، عبد المصطفیٰ۔ سیرتِ سید المرسلین ﷺ۔ جلد دوم۔ ص ۵ / عہدِ نبوت کے ماہ و سال۔ ص ۳۴ / سیرۃ النبی ﷺ۔ جلد سوم۔ ص ۱۹۶

○ ۱۶۲۔ تاریخ طبری۔ حصہ اول۔ سیرت النبی ﷺ۔ ترجمہ از سید محمد ابراہیم ندوی۔ ص ۷۲

انبیاء و مرسلینؑ پر حضور ﷺ کی فضیلت

○ ۱۶۳- آلِ عمران- ۳: ۸۱

○ ۱۶۴- جلال الدین سیوطی، امام- الخصائصُ الکبریٰ- جلد دوم- ص ۳۲۲ تا ۵۰۴

○ ۱۶۵- راجا رشید محمود- میرے سرکار ﷺ- اختر کتاب گھر، لاہور- ص ۱۳۵

○ ۱۶۶- موضوعاتِ کبیر از ملا علی قاری- ص ۵۹، انسان العیون از علامہ برہان الدین حلبی- جلد اول- ص ۳۵۷، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات از علامہ فاسی- ص ۳۹۳، نزہۃ المجالس از علامہ عبدالرحمان صفوری شافعی- جلد دوم- ص ۱۹- بحوالہ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور- جون ۱۹۷۳ (مضمون "حدیثِ لولاک" از مولانا غلام رسول سعیدی / تابش قصوری، محمد منشا- محمدؐ نورؐ- س ن- ص ۴۱ (مضمون "حدیثِ لولاک" از ابو الضیا محمد باقر ضیا نوری و مضمون محولہ بالا از غلام رسول سعیدی- ص ۴۹ تا ۵۲)

○ ۱۶۷- الم نشرح- ۹۴: ۴

○ ۱۶۸- راجا رشید محمود- تسخیرِ عالمین اور رحمتٌ للعالمین ﷺ- اختر کتاب گھر، لاہور- ص ۸۱

○ ۱۶۹- الانبیاء- ۲۱: ۱۰۷

○ ۱۷۰- غلام جیلانی برق، ڈاکٹر- دو قرآن- ص ۲۰۶

○ ۱۷۱- الخصائص الکبریٰ- جلد اول- ص ۱۳۸

○ ۱۷۲- ایضاً- ص ۱۷۰

○ ۱۷۳- عبدالحق محدث دہلوی، شیخ- مدارج النبوت- جلد دوم- ص ۴۱ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ- جلد اول- ص ۷۷ / عبدالمصطفیٰ اعظمی- سیرتِ مصطفیٰ ﷺ- ص ۶۷ / الخصائص الکبریٰ- جلد اول- ص ۱۰۶

○ ۱۷۴- محمد عابد، سید- رحمتٌ للعالمین ﷺ- ص ۱۳۶

○ ۱۷۵- محمد اشرف، عبدالمصطفیٰ- سیرتِ سیّد المرسلین ﷺ- حصہ اول- ص ۳۲۵

○ ۱۷۶- انوارِ محمدیہ ﷺ- ص ۳۶ / تقی علی خاں- انوارِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ- ص ۱۰۸ / شہناز کوثر- حضور ﷺ کا بچپن (۱۹۹۳ میں صدارتی ایوارڈ پانے والی کتاب) اختر کتاب گھر، لاہور- ۱۹۹۴- ص ۲۱۵، ۲۷۱

○ ۱۷۷- سیرتِ دحلانیہ (اردو ترجمہ) ص ۳۰۲، ۳۰۳

○ ۱۷۸- الخصائص الکبریٰ- جلد اول- ص ۹۳

○ ۱۷۹- ایضاً- جلد اول- باب اول- ص ۳۰

○ ۱۸۰- ایضاً- جلد اول- ص ۱۹۰

لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِىْ

○ ۱۸۱- صحیح بخاری شریف- اردو ترجمہ از عبدالرزاق- مطبوعہ لاہور- ص ۹ (متن)

○ ۱۸۲- ضیاء النبی ﷺ- جلد دوم- ص ۱۹۳

○ ۱۸۳- عینی، بدر الدین- عمدۃ القاری- جلد اول- ص ۶۸

○ ۱۸۴- فتح الباری- جلد اول- ص ۳۰

○ ۱۸۴ (الف) طٰہٰ: ۱۱- ۱۳

○ ۱۸۴ (ب) ضیاء النبی ﷺ- جلد دوم- ص ۱۹۳

○ ۱۸۵- ابراہیم عرجون- محمدؐ رسول اللہ ﷺ- جلد اول- ص ۷۰، ۷۱، ۳ (بحوالہ ضیاء النبی ﷺ- جلد دوم- ص ۱۹۴، ۱۹۵ (پیر محمد کرم شاہ نے متن میں مصنف کا نام "علامہ محمد الصادق عرجون رحمۃ اللہ علیہ" لکھا ہے اور حاشے میں "ابراہیم عرجون"۔

○ ۱۸۶- محمد کرم شاہ، پیر- ضیا القرآن (سورۂ مریم کے ذکر میں باپ اور سورہ انعام کے حاشیے میں علامہ آلوسی بغدادی کی روح المعانی" کے حوالے سے چچا لکھا ہے۔ ایک جگہ آزر لکھا ہے، دوسری جگہ آذر)

○ ۱۸۷- مودودی، ابو الاعلیٰ- سیرتِ سرورِ عالم ﷺ- جلد دوم- ص ۱۳۵

○ ۱۸۸- سلیمان ندوی، سید- سیرۃ النبی ﷺ- جلد سوم- باب "معجزاتِ نبوی ﷺ کے متعلق غیر مستند روایات"۔

○ ۱۸۹- ایضاً

ورقہ بن نوفل

○ ۱۹۰- صحیح بخاری شریف- مطبوعہ ناشران قرآن، لاہور- جلد اول- کتاب الوحی- ص ۱۰

○ ۱۹۱- صحیح مسلم شریف مع مختصر شرح نووی مترجم- مطبوعہ خالد احسان پبلشرز، لاہور- جلد اول- کتاب الایمان- ص ۲۶۵

○ ۱۹۲- مشکوٰۃ شریف (عربی، اردو) فرید بک سٹال، لاہور- جلد سوم- کتاب الفتن- ص ۱۳۵

○ ۱۹۳- مکتبہ عثمانیہ لاہور کی اکتوبر ۱۹۸۵ میں شائع ہونے والی "سیرۃُ المصطفیٰ ﷺ" (جلد اول) میں حضرت مسیح ابن مریم کے بعد "علیہ السلام" کے بجائے "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہے (۱۳۱)

○ ۱۹۴- محمد بن اسحاق مطلبی- سیرتِ ابنِ اسحاق- اردو ترجمہ از رفیع اللہ شہاب- ص ۲۴۳

○ ۱۹۵- معارج النبوت- جلد دوم- ص ۲۱۳

○ ۱۹۶- سیرۃ ابنِ اسحاق- ص ۲۱۳

○ ۱۹۷- الوفا- ص ۱۹۶

○ ۱۹۸- سیرۃ ابنِ ہشام (اردو ترجمہ مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور) ص ۱۳۲

○ ۱۹۹- معارج النبوت- جلد دوم- ص ۲۱۳- ۲۱۵

○ ۲۰۰- سیرتِ محمدیہ ﷺ ترجمہ مواہبُ اللدنیہ- جلد اول- ص ۲۰۲

○ ۲۰۱- محمد ادریس کاندھلوی- سیرۃُ المصطفیٰ ﷺ- جلد اول- ص ۱۳۳

○ ۲۰۲۔ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۳۔ ص ۸
○ ۲۰۳۔ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ سیرتُ المصطفیٰ ﷺ۔ ص ۲۲۷ (حاشیہ نمبر ۱۹)
○ ۲۰۴۔ محمد ادریس کاندھلوی۔ سیرۃُ المصطفیٰ ﷺ۔ جلد اول۔ ص ۳۴

حضور ﷺ کی ہجرت

○ ۲۰۵۔ شہناز کوثر۔ ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ (۱۹۹۶ میں صدارتی ایوارڈ پانے والی کتاب) اختر کتاب گھر، لاہور۔ ص ۳۳

دُوسری روایتیں

(حواشی صفحہ ۱۲۷۔۱۲۸ پر)
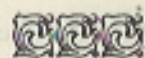
بہت سے سیرت نگار وہ ہیں جنھوں نے اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب اِس روایت کے بجائے' دوسری روایتوں پر انحصار کیا ہے۔ کیوں؟ ظاہر ہے کہ وہ اس روایت سے اور اس کے بعض حصّوں سے مطمئن نہیں ہوئے۔ مثلاً طبری نے لکھا ہے کہ روحُ القدس آیا تو اسے دیکھ کر حضور ﷺ ڈر گئے۔ پھر وہ دوبارہ آیا تو اس نے کہا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اب تو خوف کی وجہ سے حضور ﷺ نے خُود کُشی کرنا چاہی مگر جبریلؑ نے زبردستی روک لیا اور کہا' میں جبریلؑ ہوں۔ پھر اِقرا اور مَااَنَا بِقَارِیٍٔ والا مکالمہ ہُوا اور ورقہ بن نوفل تک بات پہنچی (۱)

ابنِ ہشام کا کہنا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی غارِ حرا میں حضور ﷺ کے ساتھ تھیں۔ حضور ﷺ سو رہے تھے کہ جبریلؑ آئے اور ایک ریشمی کپڑا لائے جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔۔۔۔ جب حضور ﷺ آیات پڑھ کر چلے تو پہاڑ کے درمیان آسمان سے آواز آئی کہ اے محمد (ﷺ) تم خدا کے رسول ہو اور میں جبرائیل ہوں۔ جبرائیلؑ ایک انسان کی صورت میں آسمان و زمین کے درمیان معلّق کھڑے ہوئے تھے۔۔۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا (اکیلی) چادر اوڑھ کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔۔۔"۔ (۲)

طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے کہ حضور ﷺ نے اُفقِ آسمان پر ایک فرشتے کو اس کیفیت میں دیکھا کہ وہ اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے پکار رہا ہے: یا محمد (ﷺ) میں جبریل ہوں۔ حضور ﷺ ڈر گئے' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے' انھیں اس واقعے سے آگاہ کیا۔۔۔ اور وہ آپ ﷺ کو ورقہ کے پاس لے گئیں (۳)

حضرت عُروہ بن زبیر کی مغازیٔ رسُولُ اللہ ﷺ میں ہے کہ سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کچھ خواب دکھائے۔ یہ بات آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتائی۔ دوسری بار آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ میرا "شقِ صدر" کیا گیا ہے۔ پھر حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کو کھُلے طور پر ملے۔ حضرت جبریلؑ

نے حضور ﷺ کو ایسی جگہ پر بٹھایا جس پر گویا غالیچے اور قالین کا فرش تھا جس میں یاقوت اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نمائندہ رسول ہیں۔ پھر سورۂ علق کی آیات پڑھائیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے عداس کے پاس اور پھر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ عیسائی ہو گئے تھے اور زید بن عمرو بن نفیل نے عیسائیت کو بھی ناپسند کیا تھا۔ ورقہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ شاید تیرے شوہر وہی نبی ہوں جن کا اہلِ کتاب انتظار کر رہے ہیں۔ پھر عُروہ لکھتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ نے پانی کا ایک چشمہ کھولا اور اس سے وضو فرمایا۔ پس حضور ﷺ نے بھی اسی طرح کیا (۴)

یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ وہی عُروہ بن زبیر ہیں جن سے زیرِ گفتگو روایت (منسوب بہ حضرت عائشہ صدیقہؓ) مروی ہے۔ زیرِ نظر حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق درج ہے کہ اسے عُروہ بن زبیر نے اپنی خالہ اُمُّ المومنین ؓ سے سُنا اور آگے بیان کیا۔

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ حضرت زبیر بن عوام ؓ کے وہ بیٹے (عُروہ) جن سے حدیثِ عائشہؓ چلی ہے، وہ خود کتاب لکھتے ہوئے حدیثِ عائشہؓ کو تسلیم کرتے دکھائی نہیں دیتے۔ اگر حدیثِ عائشہؓ انھوں نے خود اپنی لائقِ احترام خالہ سے سُنی ہوتی اور اسے بیان کیا ہوتا تو ان سے زیادہ اس حدیث پر یقین رکھنے والا کون ہوتا۔ لیکن جب انھوں نے کتاب لکھی تو اس میں اس حدیث کے بجائے جو کچھ بیان کیا، وہ اوپر درج کیا جا چکا ہے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ غارِ حرا میں حضورِ اکرم ﷺ کے گھر والے بھی ساتھ تھے۔ آپ ﷺ سو رہے تھے کہ جبرئیلؑ آئے۔ پھر اقرا اور ما انا بقاریٔ کا تین بار مکالمہ ہوا، جبرئیلؑ نے دبایا، پھر سورۂ علق کی آیات پڑھائیں۔ حضور ﷺ بیدار ہوئے تو خودکشی کرنا چاہی۔ اس پر جبرئیلؑ آدمی کی شکل میں نمودار ہوئے اور حضور ﷺ کو اس اقدام سے باز رکھا۔ جبرئیلؑ چلے گئے تو سرکار ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور تمام معاملے سے آگاہ کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا، آپ اس امت کے نبی

ہیں۔ پھر وہ (اکیلی) ورقہ کے پاس گئیں....(۵)

امام قسطلانی نے حدیثِ عائشہؓ نقل کی ہے لیکن اس میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سارا حال سن کر فرمایا: میں آپ کو خبر کی بشارت دیتی ہوں یا یہ کہ آپ رسول اللہ ﷺ ہیں (۶)

قسطلانی کو احساس ہے کہ محولہ روایت میں حضرت جبرئیلؑ نے اپنا تعارُف نہیں کروایا، اس اعتراض کے جواب میں کہ حضور ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ کو کیسے پہچانا، لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کے ہاتھ پہ معجزات کو ظاہر فرمایا ہے۔ ان معجزوں سے حضور ﷺ نے انھیں پہچان لیا جیسا کہ حضور ﷺ کے معجزوں کی بنا پر ہم نے انھیں پہچانا کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔ دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ذاتِ مبارک میں علم ضروری پیدا کر دیا تھا جس سے آپ ﷺ نے جبرئیلؑ کو پہچان لیا۔ (۷)

حیرت ہے کہ قسطلانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب حدیث کو بھی مانتے ہیں جس میں حضرت جبرئیلؑ کی پہچان کا واحد ذریعہ ورقہ بن نوفل نظر آتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ اپنی طرف سے دو نئی وجوہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اب، پتا نہیں، حضرت جبرئیلؑ سے کون سے معجزے، کب ظاہر ہوئے جن کی بنا پر حضور ﷺ نے انھیں جبرئیلؑ مان لیا۔

قسطلانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب روایت بیان کی، اس کے بعد جبرئیلؑ کی پہچان کی دو وجوہ لکھیں اور پھر جابر ؓ کی روایت بھی لکھ دی کہ سرکار ﷺ ایک ماہ غارِ حرا میں رہے، نیچے اُترے تو کسی نے پکارا، حضور ﷺ نے کوئی شے دیکھی اور اپنی حالت پر نہ رہے۔ فرمایا۔ "دَثِّرُوْنِیْ دَثِّرُوْنِیْ" (مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو) پس سورہ مُدَّثِّر نازل ہوئی....

اس کے بعد تیاقی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو حضرت ابوبکر کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس بھیجا۔ حضور ﷺ نے ورقہ سے فرمایا کہ میں جب تنہا ہوتا ہوں تو "یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ" کی ندا سنتا ہوں اور بھاگ اٹھتا ہوں۔ ورقہ نے کہا کہ اب آپ نہ بھاگیے اور پوری بات سُن کر مجھے بتائیے گا۔ پھر ندا

کرنے والے نے ندا کے بعد تسمیہ اور سورہ فاتحہ پڑھی اور حضور ﷺ سے کہا کہ آپ "لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کہیے (۸) اس کے بعد امام قسطلانی نے حضرت جابر ؓ والی حدیث کو ضعیف بلکہ باطل کہا ہے اور بیہقی والی حدیث کو منقطع قرار دیا ہے... امام ابنِ جوزی نے بھی حدیثِ عائشہؓ کے بعد حضرت جابر بن عبداللہ ؓ والی روایت کے بعد کچھ دوسری روایتیں بھی نقل کی ہیں جن میں شقِ صدر کی روایت بھی ہے' یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے اہلِ بیت بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے جب جبریلِ امینؑ حاضرِ خدمت ہوئے۔ یہ بھی ہے کہ جبریلؑ ریشم کا ٹکڑا لائے تھے جس پر آیاتِ علق لکھی ہوئی تھیں' یہ بھی ہے کہ جبریلؑ نے اپنی ایڑی سے زمین کو کُھرچا تو چشمہ پُھوٹ پڑا۔ پھر انھوں نے حضور ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا۔ (۹)

الوفا کا ترجمہ از مولانا محمد اشرف سیالوی پیشِ نظر ہے' انھوں نے یہ محسوس کرتے ہُوئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب حدیث میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن سے شرحِ صدر نہیں ہوتی' حاشیے میں لکھا ہے کہ آیاتِ سُورۂ علق جنّتی ریشم کے قطعے پر لکھی ہوئی تھیں۔ حضرت جبریلؑ کی وجہ سے جو صورت زیرِ نظر روایت میں' حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ پیش آتی دکھائی دیتی ہے' اس کے ازالے کے لیے مولانا محمد اشرف سیالوی ایک دوسرے حاشیے میں لکھتے ہیں۔ "قُربِ مقام کا حال بھی یہ ہے:

پیغمبرِ روح ہیچ کس از انبیاؑ نیافت
آں جا کہ تو بپالِ کرامت پریدۂ
ہر یک بقدرِ خویش بجائے رسیدہ است
آنجا کہ جائے نیست' تو آنجا رسیدۂ
موسیٰؑ ز ہوش رفت بیک پرتوِ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسّمے

اور وہ حاملِ وحی جو آج واسطۂ فیضِ ربانی بنے ہوئے ہیں' ایک وقت ایسا بھی آیا' وہ خلوت گہِ راز سے دور' سرِ سدرہ دربان بن کر بیٹھے تھے اور حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ

والتسلیم حریمِ قدس میں دَنَا فَتَدَلّٰی کے مقامِ قُرب پر فائز ہو کر فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی کے سرِّ نہاں کے رازدار بنائے جا رہے تھے۔ امامِ اہلِ سُنّت (مولانا احمد رِضا خاں بریلوی) نے کیا خوب فرمایا:

غنچے مَا اَوْحٰی کے جو چٹکے دَنَا کے باغ میں
بُلبلِ سدرہ تو ان کی بُو سے بھی محرم نہیں" (۱۰)

افسوس کہ مولانا محمد اشرف سیالوی نے اپنے پیر بھائی' پیر محمد کرم شاہ تک اپنے یہ افکار نہیں پہنچائے' ورنہ وہ ضیاء القرآن میں بھی اور ضیاء النبی ﷺ میں بھی معراج النبی ﷺ کے حوالے سے عدمِ رویتِ باری کی روایت کو اوّلیت اور فوقیت نہ دیتے۔ بہرحال' اشرف سیالوی کو یہ سب کچھ لکھنا تو اسی لیے پڑا کہ زیرِ گفتگو روایت سے اس کے برعکس تأثرات پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے پہلے لکھا ہے کہ فرشتہ آیا' تعارُف کروایا اور جنّ وانس کو کلمۂ طیبہ کی دعوت دینے کو کہا۔ پھر "اقرا اور ما انا بقاریٍ" کا مکالمہ ہوا' پھر جبریلؑ نے حضور ﷺ کو آغوش میں لے کر تین بار بھینچا۔ پھر سورۂ علق کی آیات پڑھائیں۔ اس کے بعد انھوں نے دوسری روایت بیان کی ہے کہ جبریلؑ نے پہلے استعاذہ اور تسمیہ پڑھایا' پھر سورۂ اقرا کی آیت پڑھائی۔

پھر انھوں نے ایک اور روایت درج کی ہے کہ جبریلؑ نے جنّتی حریر کا نامہ نکالا جو موتی اور یاقوت سے مرصّع تھا..... پھر وضو اور نماز کا سبق دیا۔ اس کے بعد "زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ" اور ورقہ بن نوفل کے پاس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جانے کے ذکر کیا ہے (۱۱)

شیخ نے لکھا ہے کہ جبریل علیہ السلام کا آغوش میں لے کر دبانا' ایک قسم کا حضورِ اکرم ﷺ کے وجودِ گرامی میں ملکوتی انوار داخل کر کے تصرّف کرنا تھا' تاکہ آپ وحی کے قبول کرنے میں آمادہ اور اس کے ماسوا سے خالی و بے التفات ہو جائیں۔ "ما انا بقاریٍ" کا کلمہ اس مقام کی ہیبت اور وحشت سے ہی صادر ہوا ہو گا (۱۲)

علامہ نور الدین عبدالرحمان جامیؒ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ غارِ حرا میں تکیہ لگا کر بیٹھے تھے کہ ایک آدمی ہاتھ میں سیاہ رنگ کی چادر لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا: پڑھیے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، "میں تو پڑھنے والا نہیں ہوں"۔ اس نے سیاہ چادر میرے سر پر ڈال دی جس کا سُرور مجھ میں اس طرح سرایت کر گیا کہ میں نے خیال کیا، بس اب وقت ارتحال ہے۔ ایسا دو بار کیا گیا۔ پھر "اِقْرَأْ ... مَالَمْ یَعْلَمْ" کہا۔ مجھے خطرہ تھا کہ شاید مجھے شعر و جنوں سے نسبت دی جا رہی ہے۔ میں اپنے آپ کو کسی قُلّۂ کوہ سے گرا دینا چاہتا تھا"۔ پھر جبریلؑ کی آواز آئی۔ پھر حضور ﷺ کپکپی اور لرزہ کی حالت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ واقعہ سنایا اور خدشہ ظاہر کیا کہ میں کہیں کاہن نہ بن جاؤں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔...
(۱۳)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کئی باتیں روایت منسوب بہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لینے کے باوجود مولانا جامیؒ کو بھی پوری روایت کی صحت میں شک ہے اور انھوں نے دوسری روایتیں ملا کر واقعہ بنایا ہے۔

معین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ دوشنبہ، رمضان کی ساتویں کو حضرت جبریلؑ غارِ حرا میں آئے۔ کہا "قُمْ یَا مُحَمَّدْ ﷺ"۔ وہ ایک آدمی تھا جس کا سر آسمان میں تھا۔ اس نے اپنے پروں کو کھولا جنھوں نے مشرق و مغرب کو گھیر لیا۔ اس کی لمبائی، چوڑائی اور شکل اس طرز پر تھی کہ اس کے پاؤں زرد، بال سبز، پیشانی اور رخسار نورانی تھے۔ دانت سفید اور چمکدار، سر کے بال مرجان کی طرح اور گردن سرخ یاقوت سی تھی۔ اس کی دو آنکھوں کے درمیان اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا...... (۱۴) اس کے بعد لکھا ہے کہ حضور ﷺ اس کے جسم کی بڑائی سے ڈرے اور فرمایا۔ "آپ کون ہیں؟ میں نے آپ سے زیادہ نہ کوئی خوبصورت چیز دیکھی ہے، نہ بڑی"۔

معین واعظ کاشفی نے اسی طرح بہت سی تفصیلات کے اضافے کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں۔ "آنحضرت صلعم (ﷺ) کی عمر چالیس سال قمری پر ایک دن اوپر ہوا تو ۹ ربیع الاول ۴۱ میلادی مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو بروز دوشنبہ روح الامینؑ خدا کا حکم نبوت لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ غارِ حرا میں تھے۔ روح نے کہا۔ "محمد ﷺ بشارت قبول فرمایئے۔ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں"۔ اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ فوراً گھر میں آئے اور لیٹ گئے۔ بیوی سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے..... وہ نبی ﷺ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں"۔ (۱۵)

قارئینِ کرام دیکھ رہے ہیں کہ قاضی صاحب اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب روایت ہی کو چلا رہے ہیں، پھر بھی اس کے بہت سے مندرجات سے پہلو بچا کر نکل گئے ہیں۔ "۹۔ ربیع الاول" کے حاشیے میں لکھتے ہیں۔ "زاد المعاد میں ۸ ربیع لکھی ہے۔ دوشنبہ پر اتفاق ہے۔ چونکہ دوشنبہ کا دن ۹ کو پڑتا ہے، اس لیے وہی صحیح ہے"۔

اس سلسلے میں مفصل بحث شروع کے صفحات میں آ چکی ہے کہ صحیح تاریخ متعیّن کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے یہ قرار دینا کہ دوشنبہ ۸ کو نہیں ۹ تاریخ کو تھا، درست نہیں۔ پھر، ۱۲ فروری ۶۱۰ء کی تعیین تو بالکل غلط ہے۔

محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب روایت کی شرح کے نام پر ان بیشتر مقامات کی تعبیر و تاویل کی سعی کی ہے، جہاں قاری کے دل میں سوالات جنم لیتے ہیں۔ انھوں نے کتاب کے صفحہ ۲۴۳ سے ۲۲۹ تک کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ ان کی کچھ وضاحتوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہوتا رہا ہے۔ وہ ایک کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

لکھتے ہیں کہ "اقرأ" سے مترشح ہوتا ہے کہ اس وقت کوئی لکھی ہوئی چیز سامنے کی گئی۔ صحیحین میں تو اس کا ذکر نہیں لیکن سیرت کی کتابوں میں حضرت عبید بن عمیر لیثی سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریلؑ میرے پاس ایک ریشمی پارچہ لے

کر آئے۔

عبید بن عمیر کے بارے میں محدثین میں اختلاف ہے کہ وہ صحابی ہیں یا کبار تابعین میں سے ہیں۔ بہرحال، اس وضاحت سے معاملے کی بہت کچھ وضاحت ہو جاتی ہے۔

تین دفعہ بھینچنے کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔ "ایسا اس لیے کیا کہ آنحضرت صلعم (ﷺ) کا سینۂ مبارک روح القدس کی تاثیر سے منکیّف ہو جائے اور آپ ﷺ کے قلبِ مبارک میں ملکی صفات متمکّن ہو جائیں تاکہ آیندہ وحی کا تحمّل آسان ہو جائے"۔ (۱۶) اس پر ہمارا سوال اپنی جگہ ہے کہ اس سب کچھ کی ضرورت انبیاءِ سابقہؑ کو کیوں نہ پڑی۔ حضورِ اکرم ﷺ ہی کے لیے وحی کا تحمّل مشکل کیوں ٹھہرا۔

لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "خوف و دہشت میں دل منقبض ہو جاتا ہے اور خون کا دورہ اپنے حال پر نہیں رہتا۔ حرارت کمزور ہو کر طبیعت میں سردی پیدا ہو جاتی ہے اور دل پھڑکنے اور بدن لرزنے لگتا ہے..... چونکہ اس سے پہلے آنحضرت صلعم (ﷺ) کو ایسا واقعہ کبھی پیش نہیں آیا تھا، اس لیے آپ ﷺ کو خوف ہوا کہ شاید اسی طرح میری موت واقع ہو جائے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا لقد خشیت علی نفسی یعنی مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا ہے۔ اور قدرے توقف اور کمبل کی گرمی سے آپ ﷺ کو سکون پہنچا اور اس دہشت کا اثر زائل ہوا..... (۱۷)

ہم اس بارے میں پہلے ہی کچھ گزارشات پیش کر چکے ہیں۔ البتہ محولہ بالا اقتباس اس لیے پیش کیا ہے کہ قارئینِ کرام جان لیں کہ شرحِ حدیث کی کوششوں نے کیا رنگ دکھائے ہیں۔

شبلی نعمانی نے صرف یہ لکھا ہے کہ "ایک دن جبکہ آپ ﷺ حسبِ معمول غارِ حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے، فرشتۂ غیب نظر آیا کہ آپ ﷺ سے کہ رہا ہے "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ..... مَالَمْ يَعْلَمْ"۔ آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو جلالِ الٰہی سے لبریز تھے۔

آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عبری زبان جانتے تھے اور توریت اور انجیل کے ماہر تھے۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا، یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا"۔ (۱۸) اس کے بعد لکھتے ہیں۔ "آنحضرت ﷺ کی زبان سے بے شُبہ یہ الفاظ نکلے: "مجھ کو ڈر ہے"۔ لیکن یہ تردُّد، یہ ہیبت، یہ اضطراب جلالِ الٰہی کا تأثُّر اور نبوت کے بارِ گراں کی عظمت کا تخیل تھا"۔ پھر لکھا۔ "حافظ ابنِ حجر نے معترضین کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ "ایک پیغمبر کو نبوت میں کیونکر شک ہو سکتا ہے اور ہو تو کسی عیسائی کے تسکین دینے سے کیا تسکین ہو سکتی ہے۔ پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ نبوت ایک امرِ عظیم ہے۔ اس کا تحمّل دفعۃً "نہیں ہو سکتا..... آپ ﷺ اقتضائے بشریت سے خوفزدہ ہو گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسکین دی۔ پھر جب ورقہ نے تصدیق کی تو آپ ﷺ کو پورا یقین ہو گیا"۔

علامہ شبلی نعمانی نے اس قصّے کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں یوں رائے دی ہے۔ "لیکن جبکہ ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے کہ نبوت سے پہلے سفرِ شام میں (بمقام بُصریٰ) جس درخت کے نیچے آپ ﷺ بیٹھے تھے، اس کی تمام شاخیں آپ ﷺ پر جُھک آئیں جس سے بُحیرا نے آپ ﷺ کے نبی ہونے کا یقین کیا، جبکہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔ جبکہ صحاح میں موجود ہے کہ نبوت سے پہلے فرشتوں نے آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا اور جسمانی آلائشیں نکال کر پھینک دیں تو خود ان روایتوں کو روایت کرنے والے کیونکر یہ کہ سکتے ہیں کہ فرشتے کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا جس سے آپ ﷺ اس قدر خوفزدہ ہو جاتے تھے..... کیا اور کسی پیغمبرؑ کو بھی ابتدائے وحی میں کبھی شک ہوا تھا؟ حضرت موسیٰؑ نے درخت سے آواز سنی کہ "میں خدا ہوں تو کیا ان کو کوئی شبہہ پیدا ہُوا"۔ (۱۹)

قارئینِ کرام دیکھ رہے ہیں کہ "مجھ کو ڈر ہے" کے سلسلے میں شبلی نے اپنی رائے

پیش کی ہے۔ نبوت میں شک کے حوالے سے بھی بات کی ہے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی
اللہ عنہا سے منسوب روایت کی بہت سی باتیں انھوں نے چھوڑ دی ہیں لیکن حاشیے میں
لکھا ہے۔ "یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ حضرت عائشہ رضی
اللہ عنہا اس وقت تک پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ محدثین کی اصطلاح میں ایسی روایت کو
مرسل کہتے ہیں لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرسل' محدثین کے نزدیک قابلِ صحت ہے
کیونکہ متروک راوی بھی صحابہ ؓ ہی ہوں گے"۔

لطیفہ یہ ہے کہ استاد (**شبلی نعمانی**) کا یہ فرمان کہ "صحابہ ؓ کا مرسل' محدثین
کے نزدیک قابلِ صحت ہے کیونکہ متروک راوی بھی صحابہ ؓ ہی ہوں گے" شاگرد (**سید
سلیمان ندوی**) کے دل پر اثر انداز نہیں ہوا اور انھوں نے دو بار حضرت عباس ؓ کے
بارے میں یہ لکھ کر روایتوں کی تغلیط کا "فریضہ" انجام دیا ہے کہ وہ "حضورِ اکرم ﷺ سے
ایک دو سال ہی بڑے تھے' جب آمنہ (سلامُ اللہ علیہا) نے وفات پائی تو وہ سات آٹھ
سال کے بچے ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ کی شیر خوارگی کے عالم میں وہ خود شیر خوار ہوں
گے۔ ایک اور موقع پر انھوں نے عبداللہ بن جعفر طیار ؓ کی کم سنی کا ذکر کر کے ان کی
روایت رد کی ہے۔ (۲۰)

بہرحال' اس حقیقت کے اظہار کے لیے کہ نزولِ وحی کے واقعے تک حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیدا نہیں ہوئی تھیں' چند حوالے حاضر ہیں۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال
کے تین سال بعد آنحضرت ﷺ نے مجھ سے نکاح کیا"۔ **بخاری شریف**۔ (۲۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں "آنحضرت ﷺ نے جب مجھ سے نکاح کیا'
اس وقت میری عمر چھ برس کی تھی"۔ **بخاری شریف**۔ (۲۲)

عُروہ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ﷺ کی ہجرت سے تین
سال پہلے ہو گیا تھا۔ دو یا تین سال آنحضرت ﷺ بغیر زوجہ کے رہے۔ حضرت عائشہ رضی
اللہ عنہا سے جب نکاح کیا' اس وقت ان کی عمر چھ سال کی تھی۔ نو سال کی عمر میں

رخصتی عمل میں آ گئی"۔ **بخاری شریف**۔ (۲۳)

سعید احمد انصاری لکھتے ہیں۔ "بعثت کے چار سال بعد شوال کے مہینے میں
پیدا ہوئیں۔ عقد سن ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے' اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ برس
کی تھیں"۔ (۲۴)

سعید احمد اکبر آبادی نے بھی یہی لکھا ہے۔ "آپ (حضرت ابوبکر ؓ نے)
چار سو درہم پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آنحضرت ﷺ سے کر دیا۔ اس وقت
صرف نکاح ہوا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس کی تھی"۔ (۲۵)

طالب الہاشمی نے "تذکارِ صحابیاتؓ" میں لکھا ہے۔ "بعثتِ نبوی ﷺ کے چار
سال بعد ماہِ شوال میں پیدا ہوئیں... چھ سال کی عمر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
ہجرت سے تین سال (یا بروایت دیگر' ایک سال) قبل ماہِ شوال میں رسولِ کریم ﷺ کے
حبالۂ نکاح میں آ گئیں"۔ (۲۶)

ابنِ قُتیبہ نے بھی یہی کہا "ان کے ساتھ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے عقد کیا
تو ان کی عمر صرف چھ سال کی تھی"۔ (۲۷)

حافظ افروغ حسن لکھتے ہیں۔ "نبوت کا پانچواں سال تھا اور شوال کا مہینا کہ
خدائے قُدّوس نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو بھی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے نوازا
.... شوال سن ۱۰ نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سادگی سے ہوا۔
نکاح کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر کُل چھ سال تھی"۔ (۲۸)

شہناز رئیس نے لکھا۔ "شوال ۱۰ نبوت میں مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ آپ
(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے عقد کیا۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر
سات برس تھی"۔ (۲۹)

سید سلیمان ندوی سے پوچھیے: "مؤرخ ابنِ سعد نے لکھا ہے اور بعض
اربابِ سِیَر نے اس کی تقلید کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبوت کے چوتھے سال کی
ابتدا میں پیدا ہوئیں اور نبوت کے دسویں سال چھ برس کے سن میں بیاہی گئیں۔ لیکن یہ

کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا' کیونکہ اگر نبوّت کے چوتھے سال کی ابتدا میں ان کی ولادت مان لی جائے تو نبوت کے دسویں سال ان کی عمر ۶ سال کی نہیں بلکہ سات سال کی ہو گی۔ اصل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق چند باتیں متفقہ طور پر ثابت ہیں۔ ہجرت سے تین برس پہلے چھ سال کی عمر میں بیاہی گئیں۔ شوّال سن ایک ہجری میں ۹ برس کی تھیں کہ رخصتی ہوئی۔ ۱۸ سال کی عمر میں یعنی ربیع الاول سن ۱۱ ہجری میں بیوہ ہوئیں"۔ (۳۰)

عباس محمود العقاد کا خیال ہے۔ "یہ امر متحقق نہیں ہو سکا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کس سن میں پیدا ہوئیں' تاہم اغلب خیال یہ ہے کہ ان کی ولادت ہجرت سے گیارہ بارہ سال قبل ہوئی۔ اس لحاظ سے رسولِ خدا ﷺ کے عقد زوجیت میں آنے کے وقت ان کی عمر چودہ سال کے لگ بھگ بنتی ہے"۔ (۳۱)

مطلب یہ کہ اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک کے بارے میں جتنے اختلافات بھی سامنے آئے ہیں' ان میں سے بہرحال یہ بات ثابت ہے کہ نزولِ وحی کے وقت وہ پیدا ابھی نہیں ہوئی تھیں۔

ایک بات یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا سے منسوب زیرِ نظر روایت یوں شروع ہوئی ہے جیسے یہ سب کچھ ان کے سامنے ہُوا ہو۔ اگر حضور سرکارِ دو عالم ﷺ نے انھیں بعد میں بتایا تھا تو روایت کا آغاز یوں ہونا چاہیے تھا کہ مجھ سے حضورِ پُرنور ﷺ نے بیان فرمایا۔ جیسا کہ مثلاً بخاری شریف کی حدیث نمبر ۷۳ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہیں۔ امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو احادیث مروی ہیں' ان میں ان کا واضح انداز یہ ہے کہ جو بات ان کے سامنے ہوئی' اسے اسی طرح بیان فرماتی ہیں جیسے انھوں نے دیکھا لیکن جو کچھ حضور سیّد و سرور ﷺ سے سنا' اس کو آپ ﷺ کے حوالے سے بیان فرماتی ہیں۔ (۳۲) اس طرح' امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے روایت کے عمومی انداز سے بھی زیرِ نظر روایت لگا نہیں کھاتی۔

ایک اور اہم بات یہ بھی ہے کہ اول اول جتنے لوگ ایمان لائے تھے' انھیں پہلی

وحی کے نزول کے بارے میں زیادہ صحیح معلومات ہو سکتی تھیں' مگر اُن میں سے کسی نے اس طرح کا پیچ در پیچ واقعہ روایت نہیں کیا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ زیرِ نظر روایت کو اُمُّ المؤمنین رضی اللہ عنہا سے منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ حقیقت کا علم اللہ کریم جل شانہ العظیم اور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی کو ہے۔

دوسری روایتیں

حواشی

○ ۱۔ تاریخ طبری۔ حصہ اول۔ سیرۃُ النبی ﷺ۔ ص ۷۲' ۷۳

○ ۲۔ سیرۃ ابنِ ہشام۔ اردو ترجمہ مطبوعہ مقبول اکیڈمی' لاہور۔ ص ۱۳۱' ۱۳۲

○ ۳۔ طبقاتِ ابنِ سعد۔ حصّہ اول۔ اخبارُ النبی ﷺ۔ ص ۲۶۴

○ ۴۔ عُروہ بن زبیر۔ مغازیٔ رسولُ اللہ ﷺ۔ ص ۱۰۵' ۱۰۶

○ ۵۔ سیرۃ ابنِ اسحاق (اردو ترجمہ کتاب السیر والمغازی) ص ۱۹۸۔۲۰۰

○ ۶۔ قسطلانی۔ المواہبُ اللدنیہ۔ جلد اول (اردو ترجمہ بعنوان "سیرتِ محمدیہ ﷺ"۔ ص ۲۰۰

○ ۷۔ ایضاً"۔ ص ۲۰۰

○ ۸۔ ایضاً"۔ ص ۲۰۳' ۲۰۴

○ ۹۔ الوفا باحوالِ المصطفیٰ ﷺ۔ ص ۱۹۸۔ ۲۰۳

○ ۱۰۔ ایضاً"۔ ص ۱۹۸' ۲۰۰

○ ۱۱۔ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۸۔۵۰

○ ۱۲۔ ایضاً"۔ ص ۴۹

○ ۱۳۔ شواہدُ النبوۃ۔ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور۔ ص ۸۵' ۸۶

○ ۱۴۔ معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۲۰۸

○ ۱۵ ۔ سلمان منصور پوری' قاضی محمد سلیمان۔ رحمتٌ للعالمین ﷺ۔ جلد اول۔ عنوان "بعثت و نبوت"

○ ۱۶۔ ابراہیم میر سیالکوٹی۔ سیرۃُ المصطفیٰ ﷺ۔ ۲۱۶

○ ۱۷۔ ایضاً"۔ ص ۲۲۳

○ ۱۸۔ شبلی نعمانی۔ سیرۃُ النبی ﷺ۔ جلد اول۔ "آفتابِ رسالت کا طلوع"

○ ۱۹۔ ایضاً"

○ ۲۰ ۔ سلیمان ندوی' سید۔ سیرۃُ النبی ﷺ۔ جلد سوم۔ "معجزاتِ نبوی ﷺ کے متعلق غیر مستند روایات"۔

○ ۲۱ ـ صحیح بخاری ـ پارہ ۱۵ ـ کتاب المناقب ـ حدیث نمبر ۳۵۳۶

○ ۲۲ ـ ایضاً ـ حدیث نمبر ۳۶۱۶

○ ۲۳ ـ ایضاً ـ حدیث نمبر ۳۶۶۸

○ ۲۴ ـ سعید احمد انصاری ـ سیرالصحابیات ـ ص ۳۶، ۳۷

○ ۲۵ ـ سعید احمد اکبر آبادی ـ سیدنا صدیق اکبرؓ ـ ص ۱۶

○ ۲۶ ـ طالب الہاشمی ـ تذکارِ صحابیاتؓ ـ ص ۵۱، ۵۲

○ ۲۷ ـ ابنِ قتیبہ ـ کتابُ المعارف (ترجمہ سلام اللہ صدیقی) ص ۱۱۹

○ ۲۸ ـ افروغ حسن، حافظ ـ ازواجِ مطہراتؓ ـ حصہ اول ـ ص ۱۷۹، ۱۸۳

○ ۲۹ ـ ترجمانِ اہلِ حدیث کراچی (ماہنامہ) ـ اگست ۱۹۷۸ء ـ مضمون "امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا" از شہناز رمیس

○ ۳۰ ـ سلیمان ندوی، سید ـ سیرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا ـ ص ۷

○ ۳۱ ـ عباس محمود العقاد ـ عائشہ رضی اللہ عنہا ـ اردو ترجمہ از محمد احمد پانی پتی ـ گلوب پبلشرز، لاہور ـ ص ۴۰ (کتاب کے سرورق پر لکھا ہے "عائشہ رضی اللہ عنہا" ـ جلال الدین سیوطیؒ ـ جبکہ کتاب عباس محمود اعقاد کی ہے ـ اس کے آخر میں جلال الدین سیوطی کے رسالے **عین الاصابہ فیما استدرکۃ السیدہ عائشہ علی الصحابہ** کا ترجمہ بطور ضمیمہ شامل ہے)

○ ۳۲ ـ بخاری شریف ـ مثلاً حدیث نمبر ۳۱، ۲۰۹، ۲۱۹، ۲۲۵، ۳۲۴، ۳۹۳، ۴۱۱، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۵۹، ۵۱۵، ۵۸۹، ۵۹۴، ۵۹۵، ۶۵۴ ......

ماحصل

☆ حضور فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ چالیس سال کے ہوئے تو فرشتے کی آمد شروع ہوئی۔ چالیس سال چھے ماہ ہوئے تو رمضان میں دوشنبہ کو وحی کا آغاز ہوا۔

☆ دوشنبہ کے حوالے سے رمضان کی درست تاریخ متعیّن کرنا بھی ممکن نہیں اور جن کتابوں میں سنِ ہجری سے پہلے واقعات کے ضمن میں انگریزی سال، مہینا اور دن وغیرہ لکھا ہے، وہ محض مغالطہ انگیزی ہے۔ درست حساب لگانا ممکن ہی نہیں۔

☆ ایسی روایتیں موجود ہیں جن میں پہلی وحی میں سورۂ علق کی آیات کے بجائے دوسری سُورتوں کی آیات بتائی گئی ہیں لیکن سورۂ علق والی روایات بکثرت ہیں اور مضبوط ہیں۔ اس لیے یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔

☆ آغازِ نزولِ وحی کا مہینا رمضان المبارک ہے مگر اسے "نصِّ قرآنی" قرار دینا درست نہیں۔ اسی طرح ۲۱ رمضان کا دن متعیّن کرنا بھی بے اصل ہے۔

☆ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب روایت بُخاری شریف اور مُسلم شریف کے مطابق ان سے حضرت عُروہ بن زبیر نے سُنی اور ان سے آگے روایت ہوتی گئی۔ مگر عُروہ بن زبیر کی اپنی تالیف "مغازیٔ رسُولُ اللہ ﷺ" میں یہ روایت نہیں ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ روایت اُن سے اور پھر امّ المؤمنینؓ سے غلط طور پر منسوب ہوئی ہے۔ اگر انھوں نے یہ روایت اپنی خالہ معظّمہؓ سے سنی ہوتی تو انھیں اس کے درست میں ہونے کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا تھا، اور انھوں نے کسی سے بیان کی ہوتی تو اپنی کتاب میں مختلف بات نہ لکھتے۔

☆ ابنِ اسحاق، ابنِ سعد، ابنِ ہشام، طبری، قسطلانی، ابنِ حزم ظاہری، عبدالرحمان ابنِ جوزی، معین واعظ کاشفی، عبدالرحمان جامی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، قاضی سلمان منصور پوری، محمد حسین ہیکل، شبلی نعمانی اور دوسرے سیرت نگار یا تو حدیثِ عائشہؓ کی زیرِ نظر روایت کے بجائے کسی دوسری روایت پر انحصار کرتے ہیں، یا کسی دوسری روایت کا کچھ

حصہ اس روایت کے ساتھ جوڑنا ضروری سمجھتے ہیں' یا زیرِ نظر روایت کے کچھ حصّے چھوڑ دینے کے بغیر' چارہ نہیں پاتے۔

☆ یہ بات کہ حضور محبوبِ ربِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے اجتناب کے لیے غارِ حرا میں جاتے تھے' سرکار ﷺ کے مقام و مرتبہ سے کمتر ہے۔

☆ وَيَتَحَنَّثُ فِيهِ کا مطلب "عبادت کرتے تھے" درست نہیں۔

☆ غارِ حرا میں کھانے پینے کا سامان حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے گھر سے لے جاتے تھے۔

☆ یہ بات غلط ہے کہ حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مال استعمال فرماتے تھے کیونکہ بیوی کا مال خاوند کے لیے صدقہ ہے اور حضور ﷺ کی ایک خصوصیت یہی ہے کہ آپ ﷺ نے صدقے کی چیز کبھی استعمال نہیں فرمائی۔

☆ غارِ حرا میں فرشتے کا آنا اور تعارُف کے بغیر گفتگو شروع کر دینا ممکن نہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں سے ایک لفظ کو سیاق و سباق سے الگ کر کے جبریلِ امین " کا اپنی طرف سے تین بار استعمال کرنا اور اس کا جواب لینا امانت کے ادنیٰ تصوّر کے بھی خلاف ہے اور جبریلِ امین " پر تو یہ تہمت ہے۔

☆ بہت سے مقامات پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب زیرِ نظر روایت میں خلا محسوس ہوتے ہیں اور انھیں پُر کرنے کے لیے اہلِ سِیَر نے دوسری روایتوں کا سہارا لیا ہے' یا زیرِ نظر روایت کی تاویلیں کی ہیں' یا اپنی طرف سے کچھ اضافے کر کے بات بنانے کی کوشش کی ہے۔

☆ زیرِ نظر روایت میں' لکھی ہوئی کسی عبارت کے موجود ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور حضور فخرِ موجودات علیہ السّلام والصّلوٰۃ اپنا پڑھا ہُوا نہ ہونے کی بات دُہرائے جا رہے ہیں جو بلا جواز ہے۔ کیونکہ عبارت کو صرف زبانی دُہرانا ہو تو اس کے لیے پڑھا لکھا ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

☆ "اقرا" کا وہ مفہوم زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے جو امین احسن اصلاحی نے بیان کیا ہے۔

☆ کچھ لوگ عظمتِ مصطفیٰ ﷺ اور معجزات بیان کرنے والی حدیثوں کو موضوع قرار دینے اور ایسی روایتوں کو درست تسلیم کرنے میں عجلت کرتے دکھاتے ہیں جن میں حضورِ اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ سے کمتر باتیں نظر آتی ہوں یا ایسے مطالب اخذ کیے جا سکتے ہوں۔

☆ حضرت جبریلؑ کے تین بار زور سے بھینچنے کی روایت میں بعض شارحین نے جو معانی اخذ کیے ہیں' وہ سرکارِ ابد قرار ﷺ کے مقام و مرتبہ کے مطابق نہیں۔ بعض مترجمین نے الفاظ کا جو ترجمہ کیا ہے' اس میں بھی شانِ سرکار ﷺ میں تنقیص کا احساس ہوتا ہے۔

☆ شقِ صدر اور بار بار شقِ صدر کا اہتمام' اور اس کی بیان کردہ وجوہ' عظمتِ آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والثناء کے منافی ہیں۔

☆ ابو الاعلیٰ مودودی نے زیرِ نظر روایت کے نتیجے میں حضور سیدِ عالم و عالمیاں ﷺ کے بارے میں "بے خبر انسان" کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو توہینِ حبیبِ ربِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہے۔

☆ حضورِ اکرم رحمتِ ہر عالم ﷺ کے لیے تمام کائناتیں تخلیق کی گئیں' آپ ﷺ کو تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام پر تفوّق اور فضیلت عطا فرمائی گئی۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ باقی انبیاء و رسلؑ تو نبوت ملنے اور وحی کے پہلی بار نازل ہونے کے مرحلے میں ذرا پریشان نہ ہُوئے ہوں' کانپنے ڈرنے کی حالت ان پر طاری نہ ہوئی ہو' ان کے سینوں کو تو آلائشوں سے پاک کرنے کے لیے کسی چیر پھاڑ کی ضرورت نہ پڑی ہو' لیکن حضورِ پُرنور ﷺ کے ساتھ یہ سارے معاملات ضروری سمجھے جائیں۔

☆ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر سرکارِ والا تبار ﷺ کا خوف زدہ ہونا کیسے ممکن ہے؟ کیا اس سے پہلے حضور ﷺ نے کبھی کوئی فرشتہ نہیں دیکھا تھا؟

☆ حضور نبی الانبیا علیہ التحیۃ والثنا کی حیاتِ طیبہ میں "جان کے خوف" قسم کا کوئی مرحلہ کبھی نہیں آیا۔ پھر حضرت جبریلؑ کے ساتھ ڈرامائی ملاقات سے آپ ﷺ کو جان کا خوف

پیدا ہونا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

☆ ایسی تمام حدیثیں جن میں حضور محبوبِ خالق و خلائق ﷺ کی عظمتِ شان ظاہر ہوتی ہو یا جن میں معجزات بیان ہوئے ہیں، ان کے بارے میں نام نہاد "محققین" کا یہ کہنا کہ یہ جھوٹی ہیں اور زیرِ نظر روایت کو سچ مان کر چلانا حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کی شان کو کم کرنے کی کوششوں کا ایک رُخ ہے۔

☆ زیرِ نظر روایت میں ہے کہ ورقہ بن نوفل نے پورا واقعہ سن کر کہا کہ یہ ("اقرا" کا حکم دینے اور دبوچنے جھنجھوڑنے والا) تو وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی لاتا تھا۔ اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا کہ ایک عیسائی عالم جو انجیل پر کام بھی کر رہا ہے، وہ حضرت عیسیٰ ؑ کے بجائے حضرت موسیٰ ؑ پر وحی لانے کا ذکر کیوں کرتا ہے۔

☆ ورقہ کے بیان میں حضور ﷺ کی ہجرت مجبوری، لاچاری کی بنیاد پر، مدینہ میں پناہ گزینی کے لیے نظر آتی ہے جبکہ حضورِ پُرنور ﷺ کے ارشادات اور عملِ مبارک کے مطابق یہ ہجرت اس سے کہیں زیادہ وسیع تر مقاصد رکھتی ہے۔ پھر کیا یہ بھی تعجب کی بات نہیں کہ ورقہ کو اس ہونے والے واقعے کا پتا تھا، مگر حضورِ اکرم ﷺ لاعلم تھے -----

بنا بریں کہا جا سکتا ہے کہ زیرِ نظر روایت کا اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے انتساب درست نہیں۔ انھوں نے حضور رحمتُ للعالمین، محبوبِ ربّ العالمین، سیّد المرسلین، باعثِ تخلیقِ کائنات فخرِ موجودات علیہ السّلام والصلوٰۃ کی عظمتِ شان کے خلاف کوئی بات نہیں کہی ہو گی۔

حقیقت اتنی ہی ہے کہ فرشتہ آیا اور اللہ کا کلام اور پیغام پہنچا کر چلا گیا۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

ماہنامہ "نعت" کے گزشتہ شمارے

1988 - حمدِ باری تعالیٰ۔ نعت کیا ہے؟ مدینۃُ الرّسول ﷺ (اول و دوم) اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (اول و دوم)۔ نعتِ قُدسی۔ غیر مسلموں کی نعت (اول)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارُف (اول)۔ میلادُ النبی ﷺ (اول، دوم، سوم)

1989 - لاکھوں سلام (اول و دوم)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (دوم) معراجُ النبی ﷺ (اول و دوم)۔ غیر مسلموں کی نعت (دوم) کلام ضیاء القادری (اول و دوم)۔ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (سوم)۔ درود و سلام (اول، دوم، سوم)

1990 - حسنؔ رضا بریلوی کی نعت۔ آزاد بیکانیری کی نعت (اول)۔ وارثیوں کی نعت۔ درود و سلام (چہارم تا ہشتم)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارُف (سوم)۔ غیر مسلموں کی نعت (سوم)۔ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (چہارم)۔ میلادُ النبی ﷺ (چہارم)

1991 - شہیدانِ ناموسِ رسالت (اول تا پنجم)۔ غریبؔ سہارنپوری کی نعت۔ اقبالؒ کی نعت۔ فیضانِ رضاؒ۔ نعتیہ مسدّس۔ عربی ادب میں ذکرِ میلاد۔ سراپائے سرکار ﷺ (اول)۔ حضور ﷺ کا بچپن

1992 - نعتیہ رباعیات۔ آزاد نعتیہ نظم۔ سیرتِ منظوم۔ نعت کے سائے میں۔ حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت (اول، دوم و سوم)۔ آزاد بیکانیری کی نعت (دوم)۔ سراپائے سرکار ﷺ (دوم)۔ سفرِ سعادت منزلِ محبت (اشاعتِ خصوصی)

1993 - ۹۲ (قطعات)۔ عربی نعت اور علّامہ نبہانیؒ۔ ستارؔ وارثی کی نعت۔ بہزادؔ لکھنوی کی نعت۔ حضورؐ ﷺ اور بچے۔ حضورؐ ﷺ کے سیاہ فام رفقا۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارُف (چہارم)۔ نعت ہی نعت (اول)۔ یا رسولَ اللہ ﷺ۔ حضور ﷺ کی رشتہ دار خواتین۔ تسخیرِ عالمین اور رحمتٌ للعالمین ﷺ (اشاعتِ خصوصی)

1994 - محمد حسین فقیرؔ کی نعت۔ اخترؔ الحامدی کی نعت۔ شیداؔ بریلوی اور جمیل نظرؔ کی نعت۔ بےکلؔ رنچھوری کی نعت۔ دیارِ نورؐ۔ تضمینیں۔ نعت ہی نعت (دوم و سوم)۔ نورٌ علیٰ نور۔ حضور ﷺ کی معاشی زندگی۔ مدینۃُ الرسول ﷺ (سوم)۔ معراجُ النبی ﷺ (سوم)

1995 - حضور ﷺ کی عاداتِ کریمہ۔ استغاثے۔ نعت کیا ہے؟ (دوم، سوم، چہارم)۔ نعت ہی نعت (چہارم و پنجم)۔ کافیؔ کی نعت۔ انتخابِ نعت۔ خواتین کی نعت گوئی (اشاعتِ خصوصی)۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی (اشاعتِ خصوصی)

1996 - لطفؔ بریلوی کی نعت۔ ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ۔ سرکار ﷺ دی سیرت (پنجابی)۔ ظہورِ قدسی۔ حضور ﷺ کے لیے لفظ "آپ" کا استعمال۔ مجھے اُن ﷺ سے پیار ہے۔ اٹک کے نعت گو شعراء۔ اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا (اول و دوم --- دو خصوصی اشاعتیں)۔ نعت ہی نعت (ششم)

۱۹۹۷ء کے شمارے

جنوری — شہرِ کرم (مصطفیٰ ﷺ نگر)
فروری — نعت ہی نعت (حصۂ ہفتم)
مارچ — ہوا یہ کہ......
اپریل — جوہر میرٹھی کی نعت
مئی — حضور ﷺ داں ویریاں نال سلوک
جون — دربارِ رسول ﷺ سے اعزاز یافتہ خواتین
جولائی — احمد رضا بریلویؒ کی نعت
اگست — مدیحِ سرکار ﷺ
ستمبر — گجرات کے پنجابی نعت گو شعرا
اکتوبر — تہنیت النساء تہنیت کی نعت
نومبر — اردو نعت اور عساکرِ پاکستان
دسمبر — ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کی نعتیہ شاعری

۱۹۹۸ء کے شمارے

جنوری — نزولِ وحی (تحقیق)
فروری — گجرات کے اردو نعت گو شعرا
مارچ — قطعاتِ نعت

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
سخن جس کا ثنائے رسولِ اکرم ہو
اس آدمی کی محبت خدا نصیب کرے

نعت سے محبت کرنے والی محترم
بہن **زینت خاتون** مرحومہ مغفورہ
کے ایصالِ ثواب کے لیے

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ
مرحومہ کی بلندیٔ درجات کیلئے دعا کریں

باباپورہ کالونی نمبر۳
باباپورہ۔ لاہور۔

Monthly NAAT Lahore

CPL 106